فون نمبر ۲۳۸۱ رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۵۰

بسلسلہ

علامہ فضل حق خیرآبادی نمبر

ہفت روزہ

الہام

بہاولپور

WWW.NAFSEISLAM.COM

جلد نمبر ۴۵ ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۵ء شمارہ نمبر ۴۰

مدیر: مسعود حسن شہاب دہلوی

مدیر منتظم: شاہد حسن رضوی

قیمت: بیس روپے

۱۹۸۶

اداریہ

شہید آزادی نمبر

مدت سے ہماری خواہش تھی کہ شہید آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی کے متعلق اہتمام کے ساتھ ایک جامع نمبر شائع کیا جائے۔ علامہ مرحوم پر جس تحقیقی انداز میں کام کرنے کی ضرورت ہے، اس پر اب تک کوئی قابلِ قدر کام نہیں ہوا۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو۔ کہ جس نے جہادِ آزادی کی راہ میں اپنی جان قربان کر دی۔ جرمِ بغاوت میں جس پر مقدمہ چلا۔ جزیرہ انڈمان میں جس نے عمر قید کاٹی۔ جس سے ایامِ اسیری میں گھسیارے اور مزدوروں کا کام لیا گیا۔ جس کو ٹاٹ کا لباس پہنایا گیا۔ اور جس نے اسی حالت میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کے متعلق مخالفین یہ کہتے ہیں۔ کہ وہ کوئی اور فضل حق تھا۔

علامہ فضل حق خیرآبادی نہ اس قدر غیر معروف اور بے وسیلہ تھے کہ ان پر بغاوت کا مقدمہ چلتا۔ اور کوئی انھیں پہچانتے نہ آتا۔ والیانِ ریاست سے لے کر امرا، وزرا تک سے ان کے تعلقات تھے، انھیں کالے پانی کی سزا مل جاتی ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی یہ آواز نہیں اٹھاتا۔ کہ یہ فضل حق نہیں۔ بلکہ جرم بغاوت کے سزاوار کوئی اور فضلِ حق ہیں۔ جن پر مقدمہ چلایا جائے۔

علامہ مرحوم سے مخالفین کا یہ سلوک اس لئے تھا کہ انھوں نے ان کے پیر و مرشد مولوی اسمعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کے باطل نظریات کا رد کیا تھا۔ اور وہابی تحریک جس کے یہ علمبردار تھے، اسے مسلمانوں کے خلاف قرار دیا تھا۔ افسوس ہے کہ مذہبی اختلافات

شہیدِ آزادی

فضلِ حق! عکس مجدد الف ثانی کی طرح
کارنامۂ زیست میں حق کی نشانی کی طرح

"ماہ کامل" کی طرح آیا اُبھر کر سامنے
جنگِ آزادی کا پرچم دستِ حق سے تھامے

فضلِ حق ہے پہلا شہیدِ رستخیزِ حریت
اس کا فتویٰ! مستقل اک دستاویزِ حریت

عزمِ فاروقی تھا اس کے شعلہ آواز میں
ضربِ الا اللہ کا تھا سوز اس کے ساز میں

نغمۂ اوقات جہاں وہ خطیبِ وقت ہے
وہ شہیدِ زندگی ہے! وہ حبیبِ وقت ہے

فضلِ حق وہ عالمِ دیں حاملِ قرآن ہے
اُس کا کردار! اسوۂ شبیر کی میزان ہے

وہ امامِ عشق ہے! وہ منبر و محرابِ حق
شمعِ حریت کا وہ پروانۂ بیتابِ حق

اس کے دل کے کوزے میں تھا ایک طوفانِ حق
ظلمتِ شب میں شعاعِ بامدادانِ حیات

کربلائے ہند میں وہ سید الاحرارِ حق!
کاروانِ حریت کا قافلہ سالارِ حق

وہ شہیدِ جنگِ آزادی! علمبردارِ حق
"فضلِ حق" کا نام ہے اک مستقل کردارِ حق

شیخ الاسلام اب بھی ہے "مرشدِ صالحاں"
وہ مجاہد کی زباں ہے "وہ شہادت کی اذاں"

شمعِ آزادی میں ایماں کی حرارت کی طرح
زندہ و پائندہ ہے حق کی علامت کی طرح

اس کے فتوے اس کی جرأت اس کی عظمت کو سلام
اس کی قید و بند کو! اس کی شہادت کو سلام

اس کا اعلانِ جہادِ عام! باطل کے خلاف
کس قدر وہ ٹھیک تھا اور کس قدر تھا انکشاف

جنگِ آزادی کے قالب میں جوانی آگئی
بجلیوں کی اک چمک سی ہر طرف لہرا گئی

اُس کے اس فتوے سے بدکردار ننگے ہو گئے
سب منافق اور سب غدار ننگے ہو گئے

نامسلمانوں کی سازش! وہ فرنگی دوستی
اور مسلمانوں سے بھی اُن کی وہ دو رنگی دوستی

کاش! پھر عالم نہ دیتے ساتھ اگر انگریز کا
ہند میں ہوتا علم اُونچا نہ سر انگریز کا!

اِک طرف تھی فضلِ حق کی حق کے آگے پر پہنچ
ہو رہی تھی تب جو باتیں اعلانِ آزادی پہ رٹ

دوسری جانب ہوا اغراضِ فرنگی! دل میں کھوٹ
کر رہے تھے ہر سو چرچا وہ شہدائے بالاکوٹ

وہ فرنگی پیشوائی کو لئے تھے برسرِ جنگ
دینِ حق کی جنگ ہی بنائی کیسے تھے برسرِ جنگ

آہ! یہ تاریخ غلط بخشی رجال الحق سے قرار!
یا اولی الابصار! وہ انگریز کے آئی کا ...

★ ★ ★

وہ مجاہد! وہ سپہ سالارِ حق! وہ بخت خان
فضلِ حق کی داستاں میں ہے وہ جہدِ داستان

فضلِ حق کی صف کے دیگر سالارانِ خدا
وہ کفن بردوش غازی! وہ شہیدانِ وفا!

فضلِ حق کے سارے ساتھی تھے کفن باندھے ہوئے
رہگذارِ زیست پر انمٹ ہیں ان کے نقشِ پا!

حق کے آگے جھکنے والے وہ کسی سے جھکتے نہیں
گامزن راہِ وفا میں ہو کے وہ رکتے نہیں

جنبشِ فضلِ حق تھی وہ کہ اسلامِ زندگی
اُن کا مرگِ حق پہ ہے قربان دوامِ زندگی

(مذاق العیشی فیروز پوری)

پبلشر: شہاب دہلوی۔ مطبع: گردیزی پرنٹنگ پریس بہاولپور
مقامِ اشاعت: ماڈل ٹاؤن اے بہاولپور۔ زرِ سالانہ ۵ روپے۔ بیرون ملک ۱۰ روپے

کرتے تھے۔ عربی زبان میں پچاسوں قصیدے کہے جن میں زیادہ حصہ نعت کا ہے۔ نثر نگاری میں بھی ادب کے ہر صنف پر انھیں یکساں قدرت حاصل تھی۔ عیش و عشرت ہو، یا رنج و غم، شادی و مسرت ہو یا حزن و الم، تبریک و تہنیت یا عیادت و تعزیت جس موقع پر جو کچھ لکھا انھیں ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

ایک درجن سے زیادہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف یادگار چھوڑیں جن میں کچھ داخل نصاب بھی ہیں۔

مولانا فضل حق نے اس عہد میں آنکھ کھولی جو طرح طرح کے سیاسی فتنوں سے بھرا ہوا تھا۔ مسلمانوں میں طرح طرح کی جہالت کارفرما تھی۔ سلطنت سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ چکے تھے۔ اور انگریزوں کے قدم روز بروز مضبوط ہوتے جا رہے تھے۔ بادشاہ سے لے کر عام آدمی تک غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ شمع بجھنے کے لئے بار بار بھڑک رہی تھی لیکن عیش و عشرت کا بازار اس قدر گرم ہو چکا تھا کہ کسی کو ان باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں تھی۔ بعض مقدس ہستیاں تھیں جو چیخ چیخ کر سونے والوں کو جگا رہی تھیں۔ ان میں ایک ہستی مولانا فضل حق خیرآبادی کی تھی۔

انگریزوں کا ظلم روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ محدث دہلوی انگریزوں کی حکومت کے خلاف فتویٰ دے کر ہندوستان کو دار الحرب قرار دے چکے تھے۔ ۱۸۵۵ء میں جب علامہ لکھنؤ میں صدر الصدور تھے۔ ہنومان گڑھی (متصل اجودھیا فیض آباد) کی مسجد کا خونی حادثہ پیش آیا۔ جس میں اجودھیا کے چند مہنتوں نے مسلمانوں کو اس مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ ہنگامہ ہوا اور لکھنؤ کی اسلامی سلطنت نے انگریزوں سے مل کر خود مسلمانوں کو گولی کا نشانہ بنایا۔ جس کا انتقام قدرت نے تین مہینے کے اندر اندر ضبطیٔ سلطنت کی صورت میں لے لیا۔

ہنومان گڑھی کے اس خونی واقعہ نے علامہ کے ذہن و دماغ پر بڑا اثر کیا۔ اسی زمانہ میں انگریزی مشنریوں نے کھلم کھلا تبلیغ عیسائیت کر کے معاملہ کو اور نازک بنا دیا۔ کلکتہ کے پادری نے تو یہاں تک جسارت کی کہ تمام دیسی افسروں کو گشتی مراسلہ بھیج کر عیسائی ہونے کی ہدایت کی۔ ان سب واقعات نے دوسرے حساس مسلمانوں کے ساتھ ساتھ علامہ فضل حق کو بھی جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ اور انھیں واقعات سے متاثر ہو کر ۱۸۵۶ء میں وہ لکھنؤ چھوڑ کر

الور چلے گئے۔ اسی اثنا میں دہلی اور اطراف دہلی میں آزادی کی لہر اٹھی بادشاہ دہلی بہادر شاہ ظفر نے تمام راجاؤں اور نوابوں سے امداد مانگی۔ علامہ نے مہاراجہ الور سے گفتگو کی مگر جب وہ آمادہ نہ ہوا تو وہاں سے دہلی روانہ ہوئے۔ راستہ میں زمینداروں کو آزادی کی تلقین کرتے رہے۔ اسی اثنا میں کارتوسوں کی چربی کا تاریخی واقعہ پیش آگیا۔ اور انگریزوں کے خلاف کھل کر جنگ شروع ہو گئی۔ دہلی میں خود بادشاہ تمام سرگرمیوں کے مرکز اعلیٰ تھے اور ان کے اس وقت کے مشیروں میں علامہ فضل حق خیرآبادی ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ اطلاعیں فراہم کرتے، مشورے دیتے اور جنگ سے متعلق دیگر کاموں میں حصہ لیتے۔ مشہور کمانڈر جنرل بخت خاں بھی ان سے مشورہ لیتے۔ اور آخر ایک روز جنرل بخت خاں سے گفتگو کرنے کے بعد انھوں نے جامع مسجد دہلی میں ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ اور علماء کے سامنے انگریزوں کے خلاف استفتاء پیش کیا۔ جس پر تمام قابل ذکر علماء نے دستخط کئے۔ اس فتویٰ نے آگ اور بڑھا دی اور مجاہدین کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا۔

آخر کار یہ جنگ ناکامی کے ساتھ ختم ہوئی۔ اور پھر انگریزوں نے انتقامی کارروائی کے طور پر ظلم و بربریت کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ انسانیت قاصر ہے ہزاروں آدمیوں کو پھانسی دی گئی۔ اور ہزاروں کی جائیداد اور املاک ضبط کر لی گئیں۔ مولانا فضل حق خیرآبادی کو بھی باغی قرار دیا گیا۔ اور اس فتویٰ کے جرم میں ان پر لکھنؤ میں مقدمہ چلایا گیا۔

اس مقدمہ کا دلچسپ پہلو یہ تھا کہ جج مولانا کی صدر الصدور کے عہد میں ان سے کچھ کام سیکھ چکا تھا۔ اسے ان سے ہمدردی تھی۔ جیوری میں ان کے موئدین موجود تھے۔ انھوں نے وکیل سرکار کے مقابلہ میں اپنے مقدمہ کی خود پیروی کی اور اپنی فاضلانہ تقریر سے انھوں نے الزامات اور وکیل سرکار کی الزامی تقریر کا تار پود بکھیر دیا۔ مقدمہ کی یہ حالت اور خود عدالت کا یہ رجحان دیکھ کر استغاثہ کا اصل گواہ بھی پھر گیا۔ اور اس نے بیان دے دیا کہ یہ وہ فضل حق ہیں ہی نہیں جنھوں نے فتویٰ لکھا تھا۔ لیکن یہ فرار پسند نہ آیا۔ اور انھوں نے انتہائی جرأت سے جج کی خواہش کے خلاف اس امر کا اعتراف کیا۔ کہ وہ فضل حق میں ہی ہوں جس نے یہ فتویٰ لکھا تھا اور میں اب بھی اس فتویٰ پر قائم ہوں۔ عدالت نے مجبور ہو کر انھیں حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی۔ اور جزیرہ انڈمان بھیج دیا۔

جہاں بہت سے مجرمِ آزادی کے خطاکار اپنے جذبۂ آزادی کی پاداش میں پہلے سے موجود تھے، ان میں منیر شکوہ آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی اور مفتی مظہر کریم دریا آبادی خاص طور پہ قابلِ ذکر ہیں۔ یہاں بھی ان اکابرین کی باقاعدہ مجلسیں جمنے لگیں، جہاں طرح طرح کی گفتگو ہوتی۔

انڈمان میں مولانا سے طرح طرح کے ذلّت آمیز اور مشقت آمیز کام لئے جاتے۔

خوش قسمتی سے سپرنٹنڈنٹ ایک شریف انگریز تھا، لیکن وہ مولانا کی حیثیت سے واقف نہیں تھا۔ اس کی پیشی میں ایک سزایافتہ مولوی بھی تھے۔ ایک دن سپرنٹنڈنٹ نے ہیئت کی ایک کتاب ان مولوی صاحب کو اصلاحِ عبارات کے لئے دی۔ یہ مولوی صاحب کے بس کا روگ نہیں تھا۔ انھوں نے مولانا فضلِ حق سے امداد کی درخواست کی۔ مولانا نے اصلاح کے ساتھ بہت سے مسائل کا اضافہ بھی کیا اور حاشیوں پہ دوسری بہت سی کتابوں کے نام بھی لکھ دیئے۔ جب مولوی صاحب نے یہ کتاب سپرنٹنڈنٹ کو دی تو وہ بہت خوش ہوا، اور ان کی کافی تعریف و ستائش کی۔ انھوں نے صحیح اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے اصل حقیقت بیان کر دی۔ سپرنٹنڈنٹ کو بھی ملنے کا اشتیاق ہوا، اور وہ مولوی صاحب کے ہمراہ مولانا فضلِ حق کی بارک میں آیا۔ مولانا موجود نہیں تھے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد دیکھتے کیا ہیں، کہ مولانا بغل میں ٹوکرا دبائے چلے آرہے ہیں۔ اس دردناک منظر کو دیکھ کر خود انگریز سپرنٹنڈنٹ بھی آبدیدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور کافی معذرت خواہی کے بعد انھیں کلرکی پہ لے لیا، اور پھر ان کی رہائی کے لئے گورنمنٹ سے سفارش بھی کی۔ ادھر ملک میں مولانا کے صاحبزادگان، تلامذہ اور دوسرے لوگ ان کی رہائی کی کوشش کر رہے تھے۔ آخر یہ کوشش کامیاب ہوئی۔ اور مولانا کی رہائی کا پروانہ حاصل کرکے ان کے صاحبزادے مولوی شمس الحق انڈمان روانہ ہوگئے۔ لیکن قسمت کی ستم ظریفی کہ ادھر انڈمان کے شہر میں داخل ہوئے۔ اور ادھر مولانا کا جنازہ اٹھ رہا تھا۔ تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے۔ اور پروانہ لئے ہوئے واپس آئے۔ تاریخ وفات ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۸۶۱ء ہے۔ مولانا نے غدر کے واقعات اور اپنے مصائب عربی قصیدہ کی صورت میں مختلف پرچوں اور پرزوں پر کوئلے سے لکھ کر اپنے بیٹے کے پاس بھیجے تھے۔ ان پہ عربی میں دیباچہ بھی لکھا تھا۔ یہ چیزیں اب شائع ہو چکی ہیں۔

(ماہنامہ الشیخ کراچی، بابت مئی ۱۹۶۵ء ص ۴۲ تا ۴۵)

[illegible]

مولانا فضل حق خیرآبادی

یہ حق آگاہ شخصیت ۱۷۹۷ء میں مولانا فضل امام خیرآبادی کے ہاں پیدا ہوئی۔ جو شاہ عبدالعزیز کے ہمعصر، علوم عقلیہ کے ماہر اور سر سید احمد خاں، نواب صدیق حسن خاں اور مفتی صدرالدین آزردہ جیسی عظیم علمی شخصیتوں کے استاد تھے۔ خاندانی روایات کے مطابق علامہ فضل حق کی تعلیم کا آغاز قرآن پاک سے ہوا۔ اس ذہین بچے نے چار ماہ دس دن کی مختصر مدت میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ اپنے والد کے علاوہ شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے مختلف علوم و فنون کی تکمیل کی۔ اُن کی ذہانت کے عجیب واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد تیرہ سال کی چھوٹی سی عمر میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ اس سے اُن کی فہم و فراست کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ۱۸۰۹ء سے ۱۸۵۹ء تک مسلسل پچاس سال کے لگ بھگ وہ درس و ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور اس عرصہ میں ہزاروں بندگانِ خدا نے علم و عرفان کے اس سرچشمہ سے اپنی پیاس بجھائی۔ بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ علامہ جیہ فیاض بھی تھے۔ دوستوں کی ہر ممکن طریق سے مدد کیا کرتے تھے۔ اُن کے ایک قریبی دوست مرزا اسداللہ خاں غالب (مشہور شاعر) جب افلاس کے ہاتھوں پریشان ہوئے تو علامہ فضل حق خیرآبادی نے صرف خود اُن کی مدد کی بلکہ نواب یوسف علی خاں والیٔ رامپور سے مستقل وظیفہ بھی جاری کرا دیا۔

علامہ فضل حق نے اپنے وطن خیرآباد میں علوم و فنون کے دریا بہانے کے علاوہ شعر و سخن کی محفلیں بھی آراستہ کیں جن میں بلند پایہ شعراء اپنا کلام پیش کرتے۔ جب وہ دارالسلطنت دہلی پہنچے تو وہاں بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔ بہادر شاہ ظفر سے اُن کے دوستانہ مراسم تھے۔ اُن کے علاوہ غالب، ذوق، مومن، آزردہ، صہبائی، نیر، شاہ نصیر، احسان اور تسکین جیسے باکمال افراد اُن کے حلقۂ رفاقت میں شامل تھے۔ وہ صدرالصدور کے عہدہ تک پہنچے۔ انتہائی شدید مصروفیات کے باوجود انھوں نے مختلف علوم و فنون پر اعلیٰ پایہ کی کتابیں لکھیں جنھیں اہلِ علم اب بھی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ان میں ہدیۂ سعدیہ، امتناع النظیر، تحقیق الفتویٰ، حاشیہ قاضی مبارک، حاشیہ افق المبین، قصائد فتنۃ الہند اور الثورۃ الہندیہ وغیرہ ہیں۔ آخری دو کتب کا موضوع ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہے، جس میں علامہ موصوف نے خود بھی حصہ لیا۔

جب انگریزوں کے ظلم و زیادتی اور جبر و تشدد کے خلاف برصغیر کے عوام نے سنہ ۱۸۵۷ء میں ہتھیار سنبھال لئے اور انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تو اکابر علماء دین نے بھی فرنگی سامراج کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا۔ ان علماء میں علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی صدر الدین آزردہ بھی شامل تھے۔ فتویٰ میں علامہ موصوف کا نام پڑھ کر لوگوں میں بے انتہا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ اور وہ دیوانہ وار انگریز فوجوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ مگر غداروں کی وطن فروشی اور انگریزوں کی سازشوں نے اس تحریک کو ناکامی سے دوچار کیا۔ دہلی پر دوبارہ انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ مرزا الٰہی بخش کی مخبری پر بہادر شاہ ظفر کو مقبرۂ ہمایوں سے گرفتار کیا گیا۔ اسے مقدمہ چلا کر رنگون بھیج دیا گیا۔ بہت سے علماء جنہوں نے فتویٰ جہاد پر دستخط کئے تھے گرفتار کر کے توپوں کے دہانوں سے باندھ کر اُڑا دیئے گئے۔ علامہ فضل حق کو بھی فتویٰ جہاد اور جرم بغاوت کی پاداش میں گرفتار کر کے لکھنؤ لے جایا گیا۔ جس جج کی عدالت میں مقدمہ قائم ہوا وہ اُن کی عظمت، علمی قابلیت اور منطقی دلائل سے بہت متاثر ہوا۔ وہ انھیں مقدمہ میں بری کرنا چاہتا تھا۔ مخبر نے بھی اپنا بیان بدل لیا تھا۔ مگر اس حق پسند انسان نے نہایت دلیری سے کہا۔

" وہ فتویٰ صحیح ہے، میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔"

اُن کے اقرار کے پیشِ نظر انھیں عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ اور جزائر انڈیمان بھیج دیئے گئے۔ خراب آب و ہوا، جسمانی مشقت، عزیز و اقارب کی جدائی کے صدمہ کے باوجود انھوں نے وہاں بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ اگرچہ ان کی رہائی کے انتظامات ہو چکے تھے مگر اس کی نوبت نہ آ سکی۔ اور علم و فضل کا یہ آفتاب سنہ ۱۸۶۱ء میں جزائر انڈیمان میں ہی غروب ہو گیا۔

(مطالعہ پاکستان مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء برائے انٹرمیڈیٹ لازمی ص ۲۳-۲۴)

ذہین سمجھے ہیں چونکہ مولانا فضل امام کو وقت کی قلت تھی اس لئے بیٹے کے ذمہ لگایا۔ یہ دن فضل حق نو عمر (صرف تیرہ سال عمر) نازک طبع ناز پروردہ جمال صورت و معنی سے آراستہ ذہن میں بلا کی جودت؛ استاد شاگرد میں کسی طرح بھی ہم آہنگی نہ تھی۔ تھوڑا سا سبق پڑھایا اور برہم ہو کر طالب علم کو بُرا بھلا کہہ کر نکال دیا۔ وہ روتا ہوا مولانا فضل امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے مولانا کو بلایا۔ علامہ حاضر ہو کر باادب کھڑے ہو گئے۔ اور مولانا فضل امام نے ایک زور دار تھپڑ رسید کیا کہ دستار فضیلت دور جا گری اور فرمایا کہ تم بسم اللہ کے گنبد میں پرورش پاتے رہے اور ناز و نعمت میں پلے جس کے سامنے کتاب رکھی اس نے شفقت و محبت سے پڑھایا تمہیں طالب علموں کی قدر و منزلت کا کیا پتہ۔ اگر مسافرت اختیار کرتے اور بھیک مانگ کر کھانا کھاتے تو طالب علمی کی قدر معلوم ہوتی۔ طلب علم کی کیفیت ہم سے پوچھو کہ ساری ساری رات کتب بینی میں بسر ہو جایا کرتی تھی ؎

درازی شب از مژگان من پرس — کہ یک دم خواب در چشمم نگشت است

خبردار اگر ہمارے طالب علموں کو آئندہ کچھ کہا خیر قصہ رفع دفع ہو گیا پھر کبھی کسی طالب علم کو کچھ نہیں کہا۔

شاہ غوث علی پانی پتی: تذکرہ غوثیہ میں ہے کہ حضرت شاہ غوث علی ؒ علامہ ؒ کو یہ واقعہ یاد دلا کر علامہ سے خوب ہنسی مذاق کرتے تھے۔

مسلک فضل حق: علامہ رحمۃ اللہ علیہ کٹر حنفی اور اسلاف صالحین رحمہم اللہ کے عقائد و مسائل پر مضبوطی سے عمل پیرا تھے۔ یہاں تک کہ جب مولوی اسماعیل دہلوی نے عقائد وہابیہ و مسائل تجدیدیہ کا ہندوستان میں آغاز کیا تو سب سے پہلے علامہ کی ذات ہے جنہوں نے ان کو دلائل قاہرہ و براہین باہرہ سے لاجواب فرمایا۔ "ابطال الطغوی" اور امتناع النظیر جیسی تصانیف مبارکہ شاہد ہیں کہ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا موثر کارنامہ سرانجام دیا۔ اور آپ ہی کی ذات برکات اور تحقیقات کی وجہ سے مشاہیر دہلی و اکابر ہند اسماعیل دہلوی کے نظریات کے سختی سے مخالف ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ مرزا غالب باوجودیکہ ایک آزاد منش شاعر تھے وہ بھی آپ کے علمی دبدبہ اور شان و شوکت سے متاثر ہو کر اسماعیل

دیوبندی کے غلط عقیدے کے رد میں ایک نظم لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

اے کہ ختم المرسلینش خواندہ
دانم از روئے یقینش خواندہ
ایں الف لامے کہ استغراق است
حکم ناطق حق اطلاق است
منشاء ایجاد ہر عالم یکے است
گر دو صد عالم بود خاتم یکے است
منفرد اندر کمال ذاتی است
لاجرم محال ذاتی است
زیں عقیدت برنگردم والسلام
نامہ را دردی نوردم والسلام

ترجمہ :۔ اے اللہ تو نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین کہا جس کا مجھے یقین ہے کہ تو نے سچ فرمایا کیونکہ "النبیین" الف لام استغراق کا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر طرح کی نبوت کے آپ خاتم ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ منشائے ایجاد عالم کی صرف ایک ذات ہے کتنا جہاں ہوں تب بھی ان سب کا ایک خاتم ہے اور وہی کمال ذاتی میں منفرد ہیں۔ اور اسی لئے آپ کی نظیر بھی محال ذاتی ہے میرا یہی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظیر ممتنع بالذات ہے اسی پر اپنی تحریر ختم کرتا ہوں۔

انگریزی دشمن :۔ علامہ چونکہ انگریز کے ساتھ خوب لڑے اسی لئے مخالفین باوجودیکہ انھوں نے علمی استفادات ان سے حاصل کیں لیکن حق شناس نہیں تھے بلکہ انگریز کے عاشق زار تھے۔ اس لئے ان کو صفحۂ تاریخ سے بھی مٹانے کی خام کوشش کی فقیر ان کی خدمت میں داستان عرض کر دے تاکہ اہل انصاف کو انصاف کا موقع نصیب ہو۔

شہداء کی تحریک آزادی :۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ انگریز نے جب ہمارے ملک میں قدم جمائے تو جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑنے والے صرف اور صرف علماء اور مشائخ

دیوبندی کے غلط عقیدے کے رد میں ایک نظم لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

اے کہ ختم المرسلینش خواندہ
دانم از روئے یقینش خواندہ
ایں الف لامے کہ استغراق است
حکم ناطق معنی اطلاق است
منشاء ایجاد ہر عالم یکے است
گر دو صد عالم بود خاتم یکے است
منفرد اندر کمال ذاتی است
لاجرم محال ذاتی است
زیں عقیدت بر نگردم والسلام
نارہ را در دی نوردم والسلام

ترجمہ:۔ اے اللہ تو نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین کہا جس کا مجھے یقین ہے کہ تو نے سچ فرمایا کیونکہ "النبیین" الف لام استغراق کا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر طرح کی نبوت کے آپ خاتم ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ منشائے ایجاد عالم کی صرف ایک ذات ہے کتنا جہاں ہوں تب بھی ان سب کا ایک خاتم ہے اور وہی کمال ذاتی میں منفرد ہیں۔ اور اسی لئے آپ کی نظیر بھی محال ذاتی ہے میرا یہی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظیر ممتنع بالذات ہے اسی پر اپنی تحریر ختم کرتا ہوں۔

انگریزی دشمن:۔ علامہ چونکہ انگریز کے ساتھ خوب خڑلئے اسی لئے مخالفین باوجودیکہ انھوں نے علمی کستنات ان سے حاصل کیں لیکن حق شناس نہیں تھے بلکہ انگریز کے عاشق زار تھے۔ اس لئے ان کو صفحۂ تاریخ سے بھی مٹانے کی خام کوشش کی فقیر ان کی خدمت میں داستان عرض کر دے تاکہ اہل انصاف کو انصاف کا موقع نصیب ہو۔

شہداء کی تحریک آزادی:۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ انگریز نے جب ہمارے ملک میں قدم جمائے تو جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑنے والے صرف اور صرف علماء اور مشائخ

اہل سنت تھے۔ ان کے سرخیل حضرت علامہ فضل حق رحمۃ اللہ تھے ان کے ساتھ انگریز کا صرف وہ سلوک پڑھئے جو جزیرۂ انڈمان میں پیش آیا۔

انڈمان کی زندگی :۔ جزیرہ انڈمان میں ان کے رفقاء کو کیا کیا مظالم برداشت کرنے پڑے یہ ایک ایسی داستان ہے جسے سن کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ پتھر کا پتہ بھی ہو تو وہ بھی پانی ہو جائے۔ خود وہاں کا سپرنٹنڈنٹ علامہ کے فضل و کمال سے واقف ہوا اور ساتھ ہی علامہ کی تکالیف کا جائزہ لیا تو فرطِ الم سے اس کے آنسو چھلک پڑے۔ سپرنٹنڈنٹ ایک شریف انگریز تھا مشرقی علوم سے واقفیت رکھتا تھا اور فن ہیئت کا بڑا ماہر تھا۔ اس کی پیشی میں ایک سزا یافتہ مولوی صاحب بھی تھے۔ انہیں ایک فارسی کی کتاب ہیئت کی دی تاکہ اس کی عبارت صحیح کر دیں۔ مولوی صاحب سے تو کام چلا نہیں علامہ نئے نئے گئے تھے۔ ایک ہی سال گذرا تھا۔ ان کی خدمت میں پیش کر کے تصحیح کی گذارش کی علامہ نے نہ صرف عبارت درست کر دی بلکہ بہت کچھ اضافہ کر دیا حاشیہ پر بہت سی کتب کے حوالے لکھ دیئے۔ یہ کتاب وہ مولوی صاحب سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس لے گئے تو وہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہنے لگا۔" مولوی صاحب تم بڑا لائق آدمی ہے۔" مگر جن کتابوں کے حوالے ہیں وہ یہاں کہاں ہیں اور ان کی جو عبارتیں نقل کی ہیں وہ کہاں ہیں۔ مولوی صاحب مسکرائے اور اصل واقعہ علامہ کا کہہ سنایا۔ وہ اسی وقت مولوی صاحب کو لے کر بارک میں آیا۔ علامہ موجود نہ تھے کچھ دیر انتظار کے بعد دیکھا کہ ٹوکرا بغل میں دبائے چلے آ رہے ہیں۔ وہ یہ حالت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ معذرت کے بعد کلرکی میں لے لیا گورنمنٹ میں سفارش بھی کی۔ خود علامہ وہاں کی حالت اس طرح بیان فرماتے ہیں: "مجھے دشمن ترش رو نے دریائے شور کے کنارے ایک مضبوط ناموافق آب و ہوا والے پہاڑ پر پہنچا دیا جہاں سورج ہمیشہ سر پر ہی رہتا تھا۔ اس میں دشوار گذار گھاٹیاں اور راہیں تھیں جنہیں دریائے شور کی لہریں ڈھانپ لیتی تھیں۔ اس کی نسیم صبح بھی گرم و تیز ہوا سے زیادہ سخت اور اس پر زہر ہلاہل سے زیادہ مضر تھی۔ اس کی غذا اندرائن (حنظل) سے کڑوی اس کا پانی سانپوں کے زہر سے بڑھ کر ضرر رساں تھا۔ اس کا آسمان

۔ عفون کی بارش کرنے والا دن کی زمین آبجدار۔ اس کے سنگریزے بدن کی چھنیاں اور اس کی ہوا ذلت و خواری کی وجہ سے مچھروں سے خرابی تھی۔ ہر کوٹھڑی پر تیر تھا جس میں رنجیدہ مریض بھرا ہوا تھا۔ ہوا بدبودار مرض کا مخزن بیماریاں بے شمار خارش وتو باجس سے بدن کی کھال چھلنے لگتی ہے عام تھی۔ بیماری کی شفایابی کی کوئی صورت نہ تھی۔ معالج رنج و تکلیف میں اضافہ کرنے والا تھا۔

ایک بے مثال کارنامہ:۔ جزیرۂ انڈمان میں جس وقت علامہ فضل حق خیرآبادی اپنے بستر موت پر تھے۔ نہ اٹھنے بیٹھنے کروٹ بدلنے پر مجبور رہتے۔ بغیر کسی سہارے بیٹھ نہ سکتے تھے۔ زندگی کا آخری وقت تھا۔ موت قدم چومتی ہوئی۔ زندگی ہزار بلاؤں سے رخصت ہو رہی تھی۔ زندگی کے ایسے نازک مرحلے پر آپ کی غیرت ایمانی کا ایسا سنگین امتحان لیا گیا جس کی مثال شاذ و نادر ہی کہیں مل سکے گی۔ چنانچہ اسی کرب و اضطراب کی حالت میں ایک انگریز افسر آیا اور اس نے حضرت علامہ سے کہا کہ اگر آپ محض اتنا فرمادیں کہ مجھے اپنے فتوے پر افسوس ہے جو میں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا تو میں ابھی ابھی آپ کو رہا کر دیتا ہوں۔ بستر مرگ کا وہ نحیف و ناتواں جو بیٹھ کر دوا پینے سے معذور تھا اتنا سنتے ہی گرج دار آواز کے ساتھ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور انگریز افسر سے فرمایا مجھے ایسی ایک نہیں ہزار زندگی دی جائے تو فضل حق یہی کہے گا کہ انگریز پر جہاد فرض ہے۔

عید ہوئی زود فی دے شام کو:۔ ادھر مجاہد جلیل علامہ فضل حق خیرآبادی جزیرۂ انڈمان روانہ کر دیئے گئے اور ادھر آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیرآبادی اور مولوی شمس الحق مفتی انعام اللہ، خواجہ غلام غوث نے فنشی لیفٹیننٹ مغربی کی وساطت سے اپیل داخل کر دی۔ علامہ کے جزیرۂ انڈمان پہنچنے سے پہلے مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی مظہر کریم اور دوسرے مجاہد علماء وہاں پہنچ چکے تھے۔ ان حضرات نے وہاں بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ مفتی عنایت احمد نے علم الصیغہ جیسی فن صرف کی بہترین کتاب جو آج تک داخل نصاب ہے وہیں لکھی۔ تاریخ حبیب اللہ بھی وہیں لکھی گئی۔ اور یہی اس کا تاریخی نام ہے۔ علامہ فضل حق نے بھی کئی مفید تصانیف لکھیں

(خادم سیتاپوری)

مولانا فضل حق خیرآبادی اور جنگ آزادی

مولینا فضل حق خیرآبادی سے میری کوئی قرابت داری تو نہیں تھی لیکن میرے اور مولینا کے خاندانوں میں برادری کا وہ قدیم رشتہ ضرور تھا جو اودھ کے تمام قصبات میں پھیلا ہوا تھا پھر سیتاپور اور خیرآباد کے درمیان فاصلہ ہی کتنا تھا، پانچ یا چھ میل۔ انقلاب سن ستاون سے پہلے سیتاپور کو مرکزیت ہی حاصل نہیں تھی۔ بلکہ خیرآباد ہی نظامت (کمشنری) تھی، اس لئے قیاس یہی کرنا چاہیئے کہ سیتاپور اور خیرآباد میں گھر آنگن کا بھی ایک کہاوتی رشتہ ضرور ہوگا۔ خود مولینا خیرآبادی کا تمام عمر خیرآباد سے باہر ہی رہے مگر وطنی تعلق ہمیشہ باقی رکھا۔ بہت سے افراد خاندان یہیں رہے اور آخری آرام گاہ تو بیشتر افراد کی خیرآباد ہی قرار پائی یہ اور بات ہے کہ چند روز کے بعد خیرآباد میں کوئی یہ بھی بتانے والا باقی نہ رہے گا کہ مولینا فضل امام خیرآبادی اور شمس العلماء مولینا عبدالحق خیرآبادی کی قبریں بڑے مخدوم صاحب کے مزار کے شمال مغربی گوشے میں کہاں پر تھیں؟ مولینا خیرآبادی کے خلاف دشمن تو دشمن خود دوستوں نے وہ سلوک کیا جس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ انقلاب سن ستاون کے بعد برصغیر کا مسلمان سیاسی خلفشار کے علاوہ معاشرتی، سماجی اور مذہبی افراتفری کا شکار رہا۔ مسلمانوں میں کتنی تحریکیں ابھریں اور معاشرے کو سدھاری ہوئی ختم ہوگئیں۔ مولانا خیرآبادی بھی اسی چکر میں پس گئے۔ انگریز پرست مسلمان تو مولینا سے اس لئے خفا تھا کہ وہ سن ستاون کی جنگ آزادی میں مجاہدانہ

اور باغیانہ کردار کے حامل رہ چکے تھے اور کٹر مذہبی طبقے اس لئے ناراض تھے کہ مولینا خیرآبادی حضرت شاہ اسماعیل شہید کے نظریات سے متفق نہیں تھے۔

ایک صدی بیت گئی! لیکن ذہنی گرد و غبار کے بادل نہ چھٹ سکے۔ انگریز جب تک برصغیر میں برسرِ اقتدار رہا آئین اور قانون کی دیواروں سے جھانک کر بہت سے چہرے پہچانے گئے۔ مگر نظر نہ آسکی تو ایک مولینا فضل حق کی ڈراؤنی صورت تھی۔ جن کی "غالب ساز" شخصیت کو چھپانے کے لئے بڑے بڑے غالب شناس، ریسرچ اور تحقیق کی پُرخار وادیوں سے آگے نہ بڑھ سکے۔

خدا بھلا کرے محبی مولینا عبدالشاہد خاں شروانی کا جنہوں نے سب سے پہلے اس مظلوم شخصیت کو حیاتِ تازہ بخشی اور "باغی ہندوستان" لکھ کر ایک بار پھر یاد دلا دیا کہ مولینا فضل حق خیرآبادی صرف عالمِ دین ہی نہیں تھے بلکہ ایک مردِ مجاہد بھی تھے جنہوں نے انقلاب سن ستاون میں عزم و عمل کا ایک ایسا کردار ادا کیا تھا جسے ہندو پاک میں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

مولینا شروانی کی یہ پہلی تالیف تھی۔ اپنے موضوع سے انہیں والہانہ عشق بھی تھا اس لئے "زورِ بیان" میں وہ بعض مقامات پر اپنے موضوع سے آگے نکل گئے اور کہیں پیچھے رہ گئے۔ سب سے زیادہ غضب یہ ہوا کہ انہیں مرحوم مفتی انتظام اللہ خاں شہابی کی غیر معتبر اور غیر مستند حکایات و روایات کا بھی سہارا لینا پڑا۔ انجام ظاہر تھا۔

"خیرآبادیات" کے موضوع پر "نقشِ اول" کا درجہ رکھنے کے باوجود یہ تالیف اہلِ تحقیق و تنقید کی "خوردہ گیری" سے نہ بچ سکی۔

مولینا شروانی کی آواز کہاں تک پہنچی؟ میں اس سلسلے میں بہت کچھ لاعلم ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ "باغی ہندوستان" کی اشاعت کے بعد ایک روسی "مستشرق" مادام پُولونسکایا "مولینا فضل حق خیرآبادی کے سیاسی افکار اور "فلسفۂ بغاوت" پر تحقیقی کام

کرنے کے لیے ہندوستان پہنچ چکی تھیں۔ ایک طرف تو "بیرونِ ہند" مولانا خیرآبادی کی سیاسی زندگی "سفرِ بغاوت" کی چھان بین ہو رہی تھی دوسری طرف انقلاب سن ستاون کے مسلم مجاہدینِ آزادی کو رسوا اور بدنام کرنے کا آغاز ہو چکا تھا اس سلسلے میں غیر کی امداد و تعاون پر چلنے والا دہلی کا ایک نیم ادبی ماہنامہ پیش پیش تھا۔

حسنِ اتفاق کہ اسی زمانے میں محب محترم مولانا امتیاز علی خاں عرشی رامپوری کو کتب خانہ رامپور میں ایک ایسی تاریخی "عرضی" مل گئی جس پر مولانا فضلِ حق خیرآبادی کی مہر لگی ہوئی تھی اس عرضی پر ۱۰ر فروری (۱۸۵۹ء) کی تاریخ پڑی ہوئی تھی جس سے مولانا عرشی کو یہ دھوکہ ہوا کہ یہ تحریر مولانا خیرآبادی کی تاریخی درخواست کا درجہ رکھتی ہے حالانکہ اگر مولانا غور فرماتے تو بہ آسانی یہ نتیجہ نکال سکتے تھے کہ عرضی پر جو تاریخ پڑی ہوئی ہے مولانا خیرآبادی کی مہر ہونے کے باوجود وہ کسی طرح ان کی تحریر نہیں ہو سکتی، کیونکہ مولانا خیرآبادی اس سے قبل ۳۰ر جنوری ۱۸۵۹ء کو گرفتار کیے جا چکے تھے اور غدر سن ستاون کے گرفتار شدگان کے ساتھ انگریز وہی سلوک کرتے تھے جو "مارشل لا" کے ہنگامی دور میں اب بھی کیا جاتا ہے۔ اسی لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا۔ کہ مولانا خیرآبادی قیدِ فرنگ سے کوئی "عرضی" یا درخواست نواب رامپور کو پیش کر سکتے اور وہ بھی اپنی مہر لگا کر۔ جو دوسرے سامان کی طرح ان کے ساتھ جیل میں ہرگز نہیں جا سکتی تھی۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اسی زمانے میں ڈاکٹر اطہر عباس کی ایک کتاب "سوتنتر بھارت" شائع ہو گئی جس میں اخبار الظفر دہلی کے پرانے زمانے کا چھپے ہوئے ایک ایسے فتوے کا عکس بھی شامل تھا۔ جس پر مولانا خیرآبادی کے دستخط نہیں تھے۔ انقلاب سن ستاون میں دہلی کے علماء نے کئی فتوے دیئے تھے۔ جن کا تذکرہ سن ستاون کے سلسلے میں کئی جگہ ملتا ہے۔ لیکن مولانا عرشی نے اس مطبوعہ فتوے ہی کو اول و آخر فتویٰ قرار دے کر ایک طویل مقالہ تحریر فرمایا اور وہ بھی اسی روشنی میں کہ مولانا فضلِ حق نے سن ستاون کی جنگِ آزادی میں کسی قسم کا کردار ادا نہیں کیا تھا۔ چونکہ مولانا عرشی

نے یہ مضمون لکھنے سے پہلے اپنے ذہن کو منفی انداز میں تیار کر لیا تھا اسی لئے انہوں نے بڑی دیرینہ روایات کے خلاف اپنے گرد و پیش پر قطعاً نظر نہیں ڈالی اور ضروری مواد کو دیکھے بغیر عجلت میں یہ مضمون قلم بند فرما دیا حالانکہ اگر وہ چاہتے تو خود ان کے گرد و پیش ایسا مواد پھیلا ہوا تھا جسے ملاحظہ فرما کر وہ اپنی دیرینہ روایات کو قائم رکھ سکتے تھے۔

میں مولینا عرشی کی علمی سنجیدہ روی، شائستگی اور متانت کا ہمیشہ معترف رہا اور آج بھی ان کی تحقیقی و علمی عظمت کا قائل ہوں اسی لئے جب میں نے مولینا کے مضمون میں مولینا خیرآبادی کے متعلق یہ جملے دیکھے تو کچھ دیر تک اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آیا۔

"ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولینا خیرآبادی نے غیر شرعی شوقِ شہادت" سے مجبور ہو کر ایسا "جھوٹ" بولا تھا جو اگر باور کر لیا جاتا اور اس کے مطابق انہیں پھانسی دے دی جاتی تو وہ ایک طرح کی خودکشی کے مرتکب ہوتے"

(صفحہ ۱۱۰ ماہنامہ تحریک دہلی اگست ۱۹۵۷ء)

مولینا عرشی نے اس موضوع کے ساتھ تحقیقی برتاؤ نہیں کیا؟ نواب رامپور کے نام اس عرضی کو بنیاد بنا کر مولینا عرشی نے یہ مفروضہ قائم کر لیا۔ مولینا خیرآبادی پر حسب ذیل تین الزام عائد کئے گئے تھے۔

(۱) خان بہادر کے ساتھ بریلی میں تعاون اور مولینا کی طرف سے پہلی بیعت پر نظامت۔

(۲) پھر خان علی خان کی طرف سے محمدی کی چکلہ داری۔

(۳) پھر ایک باغی لشکر کی کمان داری۔

مولینا عرشی نے اس عرضی کو بنیاد بنا کر یہ تین الزامات اخذ کئے ہیں اور انہیں الزامات کا سہارا لے کر مولینا فضل حق خیرآبادی کے "غیر شرعی شوقِ شہادت" اور "جھوٹ" کا تحقیق سے فرمایا ہے۔ لیکن آپ انگشت بدندان رہ جائیں گے جب مولینا فضل حق کی فرد جرم میں ان تین الزامات کے برعکس صرف یہ دو ہی الزام ملیں گے جنہیں جناب

مالک رام نے مولینا فضل حق کے خلاف اس سرکاری فائل سے پیش کیا ہے جس کی بنیاد پر مولینا خیرآبادی کے خلاف "مارشل لا کورٹ" نے جرم بغاوت لگا کر انہیں کالے پانی کی سزا دی تھی۔

مارشل لا کورٹ کی یہ فرد جرم تین نہیں صرف دو الزامات پر مبنی ہے۔

(۱) پوری بغاوت کے دوران میں بالعموم لوگوں کو بھڑکانا۔

(۲) ۱۸۵۸ء میں بالخصوص اودھ میں بغاوت پر اکسانا۔

مولینا عرشی کی عائد کردہ فرد جرم میں کتنا فرق ہے؟ اسے ایک قانون دان ہی محسوس کر سکتا ہے۔ کیونکہ قانون کی اساس و بنیاد الفاظ پر رکھی گئی ہے۔ اگر بقول مولینا عرشی "عرضی" مورخہ ۱۸ فروری ۱۸۵۹ء سے یہی نتیجہ نکلتا ہو جو انہوں نے نکالا ہے تب بھی وہ فرد جرم کی حیثیت نہیں رکھتی اور نہ اسے بنیاد بنا کر کسی کو مجرم قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس مقدمہ کی روداد سے یہ ثابت ہے کہ مولینا خیرآبادی کے مقدمہ کی کارروائی کا براہ راست تعلق ان واقعات سے نہیں تھا جن کا تذکرہ مولینا عرشی نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔

مولینا فضل حق سے منسوب عرضی (۱۸ فروری ۱۸۵۹ء) کے علاوہ مولینا عرشی نے "سوتنتر دہلی" میں چھپے ہوئے اس فتوے کے عکس کو بھی بنیاد بنایا ہے جو "صادق الاخبار دہلی" ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء سے لیا گیا ہے اور جس پر مولانا خیرآبادی کے دستخط نہیں ہیں۔ یہ فتویٰ سب سے پہلے اخبار "الظفر دہلی" میں چھپا تھا۔ لیکن مولینا عرشی اب سے ڈیڑھ سو سال قدیم اغلاط کتابت و طباعت کی مشکلات سے باخبر ہونے کے باوجود کسی طرح یہ ثابت نہیں کر سکے کہ "صادق الاخبار" میں چھپا ہوا فتویٰ اخبار الظفر دہلی کی ہو بہو نقل ہے جن لوگوں کے سامنے ۱۸۵۷ء سے پہلے کی "لیتھو" طباعت کی اسقام ہیں وہ کسی طرح بھی اس پر بھروسہ نہیں کر سکتے کہ الظفر سے نقل کرنے کے باوجود یہ تحریر کتابت کی اغلاط سے پاک ہے۔ مجھے اس بات پر قطعاً اصرار نہیں ہے کہ یہ فتویٰ وہی جہاد کا فتویٰ ہے جس پر مولینا خیرآبادی کے دستخط تھے۔ مولینا عرشی جیسے محتاط محقق سے مجھے یہ بھی توقع نہیں تھی کہ وہ ایسی تحقیق

عمارت کو ایسی بودی اور کمزور بنیادوں پر قائم کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔

اگرچہ مولانا عرشی نے فتوے کی بحث میں مفتی صدر الدین آزردہ کے "شہدت بالخیر یا شہدت بالجبر" کا جز متعلق تذکرہ مناسب سمجھا۔

کاش قدیم لیتھو طباعت کی لاشعوری مشکلات کو سامنے رکھ کر وہ "صادق الاخبار" میں چھپے ہوئے فتوے کے عکس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے۔

مولانا عرشی نے جس بحث کا آغاز اگست ۱۹۵۷ء میں کیا تھا۔ اس کا بہت کچھ تکملہ جناب مالک رام کے اس مضمون (مولانا فضل حق خیرآبادی) پر ہوا جو ماہنامہ تحریک دہلی بابت جون ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا تھا۔

جناب مالک رام نے ایک جزو سے زائد ضخامت پر مشتمل اس مضمون میں حکومت ہند (نئی دہلی) کے "نیشنل آرکائیوز آف انڈیا" سے فارن پولیٹیکل ستمبر ۱۸۶۰ء نمبر ۱۵۵ کے ریکارڈ کی تلخیص کرکے شائع کر دی۔ مگر اس التزام کے ساتھ کہ مولانا عرشی نے تحقیق کی جو راہیں نکالی ہیں، ان پر حرف نہ آنے پائے۔

لیکن میں جناب مالک رام کی نیک نیتی اور محتاط نگاری کے احترام کے باوجود یہ عرض کروں گا کہ وہ قانونی موشگافیوں کی پیچ پیچ وادیوں سے یقیناً واقف نہیں ہیں۔ اگر اس "مثل" کی تلخیص سے پہلے وہ "بہادر شاہ ظفر" کے مقدمۂ بغاوت کی ترتیب اپنی نظر میں رکھتے تو شاید پڑھنے والوں کو صحیح نتیجہ نکالنے میں زیادہ آسانیاں پہنچا سکتے تھے۔

کیونکہ مارشل لا کا وہ مقدمہ بھی "آرمی ایکٹ" ہی کے تحت چلایا گیا تھا۔ اس قسم کے مقدمات کی فائلوں کی ترتیب کچھ اس طرح ہوا کرتی ہے۔

(۱) استغاثہ (۲) فرد جرم (۳) کارروائی مقدمہ (۴) پلیڈنگس (۵) کاغذات متعلقہ فریقین (۶) درمیانی اور متفرق درخواستیں۔

آرمی ایکٹ ہو یا تعزیرات ہند ہر مقدمہ کی فائل تقریباً انہیں اجزا پر مشتمل ہوتی ہے کسی

مقدمہ کی کارروائی پر تحقیقی بحث کرنے کے لیے تمام اجزاء کو سامنے رکھنا ضروری ہوتا ہے لیکن مالک رام صاحب نے صرف اپنے مفید مطلب باتوں کی تلخیص پیش کی ہے یہ انداز وکیلانہ تو ہے محققانہ نہیں۔ جناب مالک رام کو کم از کم ان کاغذات کی نقل ضرور پیش کرنی چاہیے تھی۔ جن کا حوالہ مقدمہ میں دیا گیا ہے۔ مثلاً کمشنر دہلی کی وہ رپورٹ جس کا ذکر تجویز مقدمہ میں موجود ہے۔

لیکن ان تفصیلات کے باوجود مقدمہ کے مضمرات پھر بھی تحقیق طلب رہ جاتے ہیں جو مولینا فضل حق کے سرکاری وکلاء میسرز بیون ہیوم۔ بیبی اینڈ لیفرائی کے مشورے کے مطابق تھے اور ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں کے خلاف نفرت رکھنے کے باوجود انگریز اپنے ذمہ کی ادائی میں کتنے دیانتدار تھے۔

بقیہ۔ نامور شاگرد

(۷) غالب اور عصر غالب از ڈاکٹر محمد ایوب قادری مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲ء
(۸) سیرت امیر ملت از سید اختر حسین علی پوری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء
(۹) برکات علی پور از پیر خیر شاہ امرتسر مطبوعہ امرتسر ۱۳۴۶ھ / راولپنڈی ۱۹۶۰ء
(۱۰) حیات شبلی از سید سلیمان ندوی مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء
(۱۱) سعید البیان فی مولد سید الانس والجان از شاہ احمد سعید دہلوی مطبوعہ گوجرانوالہ ۱۹۸۰ء
(۱۲) نزہۃ الخواطر جلد ہشتم از مولانا عبد الحی لکھنوی مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء / حیدر آباد دکن ۱۹۷۰ء۔
(۱۳) مفتی صدر الدین آزردہ از عبد الرحمن پرواز اصلاحی مطبوعہ دہلی ۱۹۷۷ء
(۱۴) ماہنامہ نقوش لاہور بابت اگست ۱۹۷۱ء فروری ۱۹۶۲ء

بنے ہاتھ ہی سے لی ہے اور ہاتھ کی چکیوں کی جگہ پن چکیاں لگ گئی ہیں تو یہ ذریعہ معاش بھی جاتا رہا۔ عوام کی اس بے بضاعتی اور بے روزگاری کی وجہ سے اہل حرفہ اور ساہوکار بے روزگار اور رزق سے محروم ہو گئے ہیں۔

ان سب پر مستزاد اب چارلس مٹکاف نے یہ حکم دیا ہے کہ غریب زرِ چوکیداری[1] ادا کیا کریں یہ ٹیکس پہلے کبھی نہیں لیا جاتا تھا۔

دوسرا حکم یہ ہوا ہے کہ ہر گلی کے دروازے پر پھاٹک لگایا جائے جس کا کوئی فائدہ معلوم و متصور نہیں ہے۔

تیسرا حکم یہ ہوا ہے کہ ان پھاٹکوں کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات مقرر ہوں جس سے ہمیں مشکلات کا سامنا ہے۔

چوتھا حکم یہ ہوا ہے کہ ہر محلے میں ۵/۵ پنچ مقرر کئے جائیں۔"

اس درخواست سے جہاں مومن کی سیاسی بصیرت اور عوام کے مسائل اور شہری زندگی کی مشکلات پر ان کی گہری نگاہ کا ثبوت ملتا ہے وہاں یہ بھی اندازہ ہو گیا ہے کہ انھوں نے ان تمام مشکلات و مصائب کے سرچشمہ پر انگلی رکھ کر صحیح تشخیص کر لی تھی اور اسباب کا تجسس کرکے اسی کا تعین فرما دیا تھا۔ کہ یہ سارے مسائل غیر ملکی حکمرانوں کے پیدا کردہ ہیں پھر یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ درخواست دہلی کے ریزیڈنٹ کے نام نہیں ہے جو شہر و ضلع کا حقیقی حاکم تھا۔ بلکہ "حضور جہاں پناہ" کے نام ہے یعنی ساکنانِ دہلی کے مسائل لال قلعے کے بے اختیار و محروم اقتدار مغل "شہنشاہ" (اکبر شاہ ثانی) کے سامنے پیش کئے گئے ہیں، حال آں کہ لال قلعہ ۱۸۰۳ء سے ویران تھا اور اکبر شاہ ثانی کے والد شاہ عالم

---

[1] چوکیدارہ ٹیکس کا قانون یو۔پی میں سنہ ۱۸۱۴ء میں نافذ ہوا تھا۔ ممکن ہے دہلی میں بھی اسی سال یا چند سال بعد یہ قانون بعد یہ قانون بعد یہ قانون نافذ ہوا ہو۔ اس سے بھی اس درخواست کے عہد کا تعین ہوتا ہے۔

کی حکومت دہلی سے پالم تک رہ گئی تھی اکبر شاہ ثانی تو صرف لال قلعہ تک محدود تھی۔ خود شہنشاہ نے کمپنی کی وظیفہ خواری پر قناعت فرمائی تھی اور عوام بھی اپنی تمام ضروریات کے سلسلے میں نئے حکمرانوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے یہیں کی عدالتوں میں انصاف کے لئے جاتے تھے اور انہی کو سلام کے عادی ہوتے جا رہے تھے۔ ان حالات میں برعظیم کا ایک عالم دین۔ جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سیاست نہیں جانتا۔ عوام کو دوبارہ لال قلعے کی چوکھٹ کی طرف لئے جا رہا ہے اور ان کی طرف سے درخواست لکھ کر ان کے حالات و خیالات کا ترجمان بن کر ان کو "حضورِ جہاں پناہ" کے دیوانِ عام میں لا کھڑا کرتا ہے اور اس طرح ایک پیچیدہ نفسیاتی تحریک چلاتا ہے جس سے ایک طرف عوام کو دوبارہ اپنے جانے پہچانے مرکزِ حکومت سے گرہ کشائی اور حلِ مشکلات کی توقعات پیدا ہوں گی۔ دوسری طرف خود ان جہاں پناہ کی خودی بیدار ہونے کے امکانات ابھریں گے اور ان کی غیرت و حمیت بھی ممکن ہے انگڑائی لے کر جاگ اُٹھے۔ تیسری طرف برطانوی حکومت کے کارکن چونکیں گے کہ یہ کیا ہوا ہے؟ سمتِ قبلہ پھر تبدیل ہو رہی ہے اور چونکہ کہ ایک طرف تو وہ ان مشکلات پر توجہ دیں گے دوسری طرف شاہ کے ساتھ اپنے رویے میں نرمی اختیار کریں گے اور ان گستاخیوں اور اہانت کوشیوں کو لگام دیں گے جن کا سلسلہ انہوں نے کئی سال سے شروع کر رکھا تھا۔

مولانا کے انگریزوں کے متعلق یہ جذبات صرف وطنیت پر مبنی نہیں تھے یعنی وہ برعظیم پر انگریزوں کے بڑھتے ہوئے تسلط کے اس لئے خلاف نہیں تھے کہ وہ ملکی نہیں تھے، غیر ملکی تھے ان کا تعلق ایشیا سے نہیں تھا یورپ سے تھا۔ بلکہ اس کی بنا مذہب پر تھی، ان کو غم انگریزوں کے قبضے کا نہیں، نصاریٰ کے قبضہ کا تھا اور نصاریٰ سے موالاۃ شرعاً ممنوع ہے اور قرآن کریم میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے ولا (دوستی) کی نہی فرمائی گئی ہے (المائدہ ۵۱) ایک قصیدے[1] میں فرماتے ہیں۔

---

[1] قصائد قدسیہ الہند، قصیدۂ ہمزیہ

کی حکومت دہلی سے پالم تک رہ گئی تھی اکبر شاہ ثانی تو صرف لال قلعہ تک محدود تھے. خود شہنشاہ نے کمپنی کی وظیفہ خواری پر قناعت فرمائی تھی اور عوام بھی اپنی تمام ضروریات کے سلسلے میں نئے حکمرانوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے انہیں کی عدالتوں میں انصاف کے لئے جاتے تھے اور انہی کو سلام کے عادی ہوتے جا رہے تھے. ان حالات میں برعظیم کا ایک عالم دین۔ جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سیاست نہیں جانتا۔ عوام کو دوبارہ لال قلعے کی بیچارگی کی طرف لئے جا رہا ہے اور ان کی طرف سے درخواست لکھ کر ان کے حالات وخیالات کا ترجمان بن کر ان کو "حضور جہاں پناہ" کے دیوانِ عام میں لا کھڑا کرتا ہے اور اس طرح ایک پیچیدہ نفسیاتی تحریک چلاتا ہے جس سے ایک طرف عوام کو دوبارہ اپنے جانے پہچانے مرکزِ حکومت سے گرہ کشائی اور حل مشکلات کی توقعات پیدا ہوں گی۔ دوسری طرف خود ان جہاں پناہ کی خودی بیدار ہونے کے امکانات ابھریں گے اور ان کی غیرت وحمیت بھی ممکن ہے انگڑائی لے کر جاگ اٹھے. تیسری طرف برطانوی حکومت کے کارکن چونکیں گے کہ یہ کیا ہوا ہے؟ سمت قبلہ پھر تبدیل ہو رہی ہے اور چونکہ ایک طرف تو وہ ان مشکلات پر توجہ دیں گے دوسری طرف شاہ کے ساتھ اپنے رویے میں نرمی اختیار کریں گے اور ان گستاخیوں اور اہانت کوشیوں کو لگام دیں گے جن کا سلسلہ انہوں نے کئی سال سے شروع کر رکھا تھا.

مولانا کے انگریزوں کے متعلق یہ جذبات صرف وطنیت پر مبنی نہیں تھے یعنی وہ برعظیم پر انگریزوں کے بڑھتے ہوئے تسلط کے اس لئے خلاف نہیں تھے کہ وہ ملکی نہیں تھے، غیر ملکی تھے ان کا تعلق ایشیا سے نہیں تھا یورپ سے تھا. بلکہ اس کی بنا مذہب پر تھی، ان کو غم انگریزوں کے قبضے کا نہیں، نصاریٰ کے قبضہ کا تھا اور نصاریٰ سے موالاۃ شرعاً ممنوع ہے اور قرآن کریم میں مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ سے ولا (دوستی) کی نہی فرمائی گئی ہے (المائدہ ۵۱) ایک قصیدے میں فرماتے ہیں.

۱؎ نصائح قضیۃ الہند، قصیدۂ ہمزیہ

لو اقترف ذنباً سوى ان ابين لي　　مع هؤلاء مودة وولاء

فولاءهم كفر بنص محكم　　ما فيه للمرء المحق مراء

كيف الولاء وهم اعادي من له　　خلق السماء الارض والانشاء

میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں نے ان (نصاریٰ) سے محبت اور دوستی نہیں کی کیونکہ ان کی دوستی بنص محکم کفر ہے۔ اس بات میں ایک حق پرست آدمی کے لئے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے بھلا ان سے کیسی دوستی؟ جو اس ذات گرامی سے عداوت رکھتے ہیں جو وجہ تخلیق زمین و سما ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مولانا ان "النصاریٰ البرطنہ" (برطانوی عیسائیوں) کے عزائم اور اقدامات کا بغور مطالعہ کر رہے اور بڑے دکھ کے ساتھ محسوس کر رہے تھے، کہ

همّوا بان ينصّروا كلاً من قطانها　　انگریزوں نے ملک کے تمام امیر و غریب

وسكانها وريفها ودهوصها واعيانها　　چھوٹے بڑے، مقیم و مسافر، شہری

ودنيّها ونذلها واجلّها　　اور دیہاتی باشندوں کو نصرانی

ذلتها تنصيراً[1]　　بنانے کا منصوبہ بنایا ہے۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ انگریز اب شعائر دین اور احکام شرع پر عمل میں بھی مزاحم ہو رہے ہیں۔

والى غير ذلك مما في قلوبهم من المنى　　ان (اقدامات) کے علاوہ ان کے دل

والاهواء وما تكن صدورهم　　میں اور بہت سے مفاسد چھپے ہوئے

من الفتن والاسواء كالافتتان　　ہیں، مثلاً فتنہ کی مخالفت، انحراف

---

۱ رسالہ عذریہ

۲ رسالہ عذریہ

منع لحنان ورفع الحجاب عن — مستورات کی بے پردگی کا رد ج

للعقائل والخواتین وطمس ماثر — اور تمام احکام دینِ متین کو

احکام الدین المحکم المتین ؎ — مٹ ڈالا۔

مولینا یہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ انگریزوں کی نظر میں ملک پہ ان کے ہمہ گیر تسلط اور ان کی حکومت کے استحکام کے لئے اس ملک کے تمام باشندوں کا صرف ایک مذہب "عیسائیت" ہونا شدید ضروری ہے اور اس مذموم مقصد کے حصول کے لئے وہ نظام تعلیم کو تبدیل کر رہے ہیں اور جگہ جگہ سکولوں کا جال بچھاتے چلے جا رہے ہیں ؎

مولانا کی طرح ملک کے دوسرے گوشوں میں بہت سے دردمند اور محبِ وطن ہندو اور مسلمان، علماء، زعماء اور فوجی بھی ان حالات کا بغور مطالعہ کر رہے تھے اور برطانوی سامراج کے امڈتے ہوئے سیلاب کے خلاف جدوجہد کی تیاریاں کر رہے تھے باہم ملاقاتیں ہو رہی تھیں، مشورے کئے جا رہے تھے اور پورے ملک میں بیک وقت ایک تحریک شروع کر دینے کا منصوبہ تیار ہو رہا تھا۔ تاکہ اس کے لئے مئی ۱۸۵۷ء کا مہینہ طے کر لیا گیا اور بالآخر دہلی کے قریب ایک فوجی مرکز میرٹھ میں ۱۶ رمضان ۱۲۷۳ھ کو انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی کا آغاز ہو گیا۔

بقیہ:- تحریک کا عظیم مجاہد

ہیں علامہ فضلِ حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کو ہمیشہ زندہ رکھا جائے ان کی تحریک کو علمارِ حق نے ہمیشہ زندہ رکھا۔ بالخصوص اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اُن کے مسلک کے علماء نے

؎ رسالہ غدریہ

منع لعثمان ورفع الحجاب عن	مستورات یا بے پردگی کا رد
لعقائل والخواتین وطمس مآثر	اور تمام احکام دینِ متین کو
احکام الدین المحکم المتین [2]	مٹا ڈالا۔

مولینا یہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ انگریزوں کی نظر میں ملک پر ان کے ہمہ گیر تسلط اور ان کی حکومت کے استحکام کے لئے اس ملک کے تمام باشندوں کا صرف ایک مذہب "عیسائیت" ہونا شدید ضروری ہے اور اس مذموم مقصد کے حصول کے لئے وہ نظامِ تعلیم کو تبدیل کر رہے ہیں اور جگہ جگہ سکولوں کا جال بچھاتے چلے جا رہے ہیں[3]

مولانا کی طرح ملک کے دوسرے گوشوں میں بہت سے دردمند اور محبِ وطن ہندو اور مسلمان، علماء، زمیندار اور فوجی بھی ان حالات کا بغور مطالعہ کر رہے تھے اور برطانوی سامراج کے امڈتے ہوئے سیلاب کے خلاف جدوجہد کی تیاریاں کر رہے تھے باہم ملاقاتیں ہو رہی تھیں، مشورے کئے جا رہے تھے اور پورے ملک میں بیک وقت ایک تحریک شروع کر دینے کا منصوبہ تیار ہو رہا تھا۔ تاآنکہ اس کے لئے مئی ۱۸۵۷ء کا مہینہ طے کر لیا گیا اور بالآخر دہلی کے قریب ایک فوجی مرکز میرٹھ میں ۱۶ رمضان ۱۲۷۳ھ کو انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی کا آغاز ہو گیا۔

بقیہ:- **تحریک کا عظیم مجاہد**

میں علامہ فضلِ حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کو ہمیشہ زندہ رکھا جائے۔ ان کی تحریک کو علمائے حق نے ہمیشہ زندہ رکھا۔ بالخصوص اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اُن کے مسلک کے علماء نے

---

3 رسالہ غدریہ

سید مصطفیٰ علی بریلوی

علامہ فضل حق خیرآبادی

جنگِ آزادی کے سلسلے میں علمائے دہلی کے فتوے پر آپ نے بھی دستخط کئے تھے!

مولانا فضل حق خیرآبادی کے والد مولانا فضل امام خیرآباد کے ممتاز علماء اور اہلِ علم میں شمار کئے جاتے تھے۔ مولوی فضل حق نے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور اس کے بعد شاہ عبدالقادر محدث اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسے اصحابِ دانش سے حاصل کی۔ وہ اعلیٰ ملازمت کے ساتھ ساتھ اپنی علمی سرگرمیوں میں مشغول رہے۔ طالب علموں سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا۔ بعض اوقات برسرِ عدالت مقدمات کی سماعت کے دوران بھی ضرورت مند طلباء کو سبق دیتے جاتے تھے۔ مولوی فضل امام کی وفات کے بعد فضل حق کی عمر ۲۰ سال تھی۔ اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تھا۔ دہلی میں انگریز ریذیڈنٹ مقرر ہو چکا تھا۔ مولوی فضل حق اس کے محکمہ میں سررشتہ داری کے عہدے پر متعین ہوئے جو اس وقت بہت بڑی بات تھی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کا تبادلہ ریذیڈنسی کمشنری میں کر دیا گیا۔ یہ وہ دور تھا جب انگریزوں کی قوت دن بدن بڑھ رہی تھی وہ کسی بڑی سے بڑی ہستی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ علامہ فضل حق جیسی خوددار شخصیت اس کیفیت کو کس طرح گوارا کر سکتی تھی۔ اس لئے انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔ نواب فیض محمد خاں والیٔ جھجر نے پانسو روپیہ ماہوار کی پیشکش کی۔ آپ نے یہ تجویز منظور کر لی اور دہلی سے جھجر روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں لوگ ایک شہر سے دوسرے شہر یا منصب جانا بڑا دکھ تصور کرتے اس لئے دہلی کے تمام ہی اہلِ علم کو صدمہ ہوا۔ ولی عہد سلطنت ابو ظفر محمد سراج الدین ظفر نے اپنا ملبوس دوشالہ آبدیدہ ہو کر اوڑھا دیا۔ مرزا غالب بھی مولوی صاحب کی جدائی سے پریشان تھے۔ جس کا اظہار ان کی اکثر تحریروں میں ملتا ہے۔ ایک عرصہ تک دربار جھجر سے وابستہ رہنے کے بعد آپ مہاراجہ الور سے وابستہ ہو گئے۔ پھر ریاست ٹونک ہوتے ہوئے ریاست رامپور پہنچے اور محکمہ عدالت سے منسلک ہو گئے۔ ریاست رامپور کے مشہور عالم دوست نواب کلب علی خاں آپ ہی کے شاگرد تھے۔ دربار رامپور سے مرزا غالب کے تعلقات مولوی فضل حق کے توسط سے قائم ہوئے۔

۱۸۴۸ء میں مولوی صاحب لکھنؤ پہنچے اور حضور تحصیل کے مہتمم قرار پائے "حضور تحصیل" مملکت اودھ کی خصوصی اصلاح کے لئے قائم کی گئی تھی۔

مولوی فضل حق خیرآبادی اور مرزا غالب میں بڑی دوستی تھی۔ ایک عجیب بات یہ مشاہدہ میں آئی کہ دونوں ایک ہی سال اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے سلسلہ میں جب علمائے دہلی نے فتویٰ جہاد جاری کیا تو مولانا فضل حق نے بھی دستخط فرمائے۔ لکھنؤ میں آپ کے خلاف مقدمہ کی سماعت ہوئی۔ دوران مقدمہ آپ نے حیرت انگیز صبر و استقلال زورِ خطابت اور دلیری کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے اپنی وکالت خود فرمائی۔ پہلے اپنے اوپر فرضی الزامات عائد کیے جو سرکاری فہرست سے کہیں سخت تھے۔ اور پھر ایک ایک کر کے جاندار استدلال سے رد کر دیا۔ آخر میں فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے کے جرم کا بڑی دلیری اور جرأت کے ساتھ اقرار کر کے خود حاکم عدالت کو حیرانی میں ڈال دیا۔ جو چاہتا تھا کہ مولانا کسی نہ کسی بنیاد پر انکار کر دیں تو وہ ان کو آزاد کر دیں۔ بحث کے دوران سرکاری وکیل اور انگریز لاجواب ہو کر رہ گئے۔ بالآخر حبس دوام بعبور دریائے شور سزا سنائی گئی۔ "صدق جدید" لکھنؤ کے مدیر مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے دادا مفتی مظہر کریم اور منشی عنایت احمد کاکوروی صدر امین بریلی نیز اور بہت سے علماً فضلاً پہلے سے کالے پانی میں موجود تھے اگرچہ انگریزوں نے ان "گناہ" عشر شفتیوں کو ذلیل و خوار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ان سے مٹی ڈھوائی، ہل چلوائے، عام مزدوری کا کام لیا۔ لیکن وہ ان کی ذہنی توانائی کو ختم کرنے میں "قطعاً" ناکام رہے۔ اسی زمانہ میں ایک انگریز جو سپرنٹنڈنٹ جیل تھا کسی حد تک علمی آدمی تھا وہ مشرقی علوم اور فن ہیئت میں خصوصی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے اپنی ایک فارسی کتاب ایک اور مولوی صاحب کو جو اس کی پیشی میں تھے درست کرنے کو دی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ جب یہ کتاب مولوی فضل حق کے سپرد ہوئی تو انہوں نے بالکل درست کر دی۔ نیز کچھ مفید اضافے بھی کیے جن کے ثبوت میں حاشیہ میں کتابوں کے حوالے بھی لکھ دیے۔ سپرنٹنڈنٹ مولوی صاحب کی زبردست یادداشت اور قابلیت کو دیکھ کر ششدر رہ گیا اور کہنے لگا "تم بڑا لائق آدمی ہے" اس نے از راہِ مہربانی مولوی صاحب کو مزدوروں کے زمرے سے نکال کر "کلرک" بنا دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ گورنمنٹ میں ان کی رہائی کی سفارش لکھ دی۔ دوسری طرف مولانا کے لائق صاحبزادہ مولانا عبدالحق و خواجہ غلام غوث بےخبر میر منشی لفٹیننٹ گورنر مغربی و شمالی صوبہ اودھ (یوپی) ان کی رہائی کے سلسلے میں کوشاں تھے۔

رہائی کا پروانہ لے کر سعادت مند بیٹا خود انڈمان پہنچا۔ ساحل پر قدم رکھتے ہی ایک جنازہ پر نظر پڑی جس کے ساتھ مخلوق خدا ٹوٹی پڑتی تھی۔ اتنا عظیم اژدہام دیکھ کر مولانا عبدالحق نے دریافت کیا کہ کس کا انتقال ہو گیا ہے۔ جواب ملا کہ مولوی فضل حق خیرآبادی مجاہد جنگ آزادی عالم باعمل اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ صاحبزادے نے آسمان کی طرف منہ کر کے دل کو تھام لیا اور جنازہ میں خود بھی

(باقی صفحہ ۷۲ پر)

لکھتے ہیں[1]

"مولانا جلال الدین معقولی مرحوم استاد نواب خلد مکان یوسف علی خاں ... نہایت ذکی ہیں، مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی جو علوم معقولہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان سے ہمیشہ مناظرہ علمی نہایت لطف کیساتھ ہوا کرتا تھا۔ اور بڑے بڑے علماء مجلس مناظرہ میں حاضر ہوتے"

شاہ غوث علی قلندر پانی پتی (ف ۱۳۱۷ھ) مولانا فضل امام خیرآبادی کے شاگرد و دریں معرفت تھے جس زمانہ میں مولانا فضل حق کا قیام رامپور میں تھا تو شاہ غوث علی گھومتے گھماتے وہاں پہنچے۔ مولانا شاہ صاحب کو اپنا مہمان رکھا۔ شاہ غوث علی کا بیان ہے[2]

"جب ہم دوبارہ رامپور پہنچے تو سرے پیر ٹھہرے۔ مولوی فضل حق صاحب سے ملاقات ہوئی۔ نہایت محبت و عنایت سے پیش آئے اور اپنے نوکر سے کہا کہ جاؤ آپ کا اسباب اٹھا لاؤ! میں نے کہا کہ حضرت برائے خدا مجھے وہیں رہنے دیجئے کہ بہت آرام سے ہوں۔ کہا اچھا جہاں آپ خوش رہیں لیکن بھٹیاری کو کہلا بھیجا کہ ان کے خرچ کا حساب ہمارے ذمہ ہے اگر پانچ روپے روز بھی اٹھیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہم دیں گے۔ لیکن یہ شرط ہے کہ میاں صاحب بلا اجازت ہمارے کہیں چلے نہ جائیں...... غرض ہم رامپور میں مہینے بھر تک مولوی صاحب کے مہمان رہے"

شاہ غوث علی قلندر نے مولانا فضل حق خیرآبادی کی زندگی کے کئی دلچسپ واقعات بھی نقل کئے ہیں[3]

---

[1] ماہنامہ "البلاغ" بمبئی فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۷

[2] تذکرہ غوثیہ مرتبہ شاہ گل حسن قادری (اللہ والے کی قومی دوکان لاہور) صفحہ ۱۲۴

[3] تذکرہ غوثیہ صفحہ ۱۲۵، صفحہ ۲۴۹، صفحہ ۲۶۱، صفحہ ۲۷۰

مجاہد تحریک آزادی
مولانا محمد فضل حق خیرآبادی قدس سرہ العزیز

محمد عبدالحکیم شرف قادری

وہ امامِ فلسفہ وہ نازشِ علم و سخن
جس نے زندہ کر دیا تھا قصۂ دار و رسن

حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جناب صدر گرامی قدر! و معزز حاضرین کرام! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

یہ امر باعث مسرت ہے کہ اہل سنت و جماعت اپنے اسلاف کے زریں کارناموں کو منظر عام پر لانے کے لئے سرگرم عمل ہیں، غیر منصف ارباب اور اہل قلم نے نہ صرف اپنے اکابر کے جھوٹے سچے کارناموں کو پورے زور و شور سے پھیلایا بلکہ اکابر اہل سنت و جماعت کے قابل فخر کردار کو مشتبہ اور داغدار بنانے کے لئے پوری طرح زور قلم صرف کیا۔ حیرت ہے کہ مخالفین کے یک طرفہ جارحانہ حملوں کے باوجود ہمیں مجاہدین اہل سنت کی حمایت اور دفاع کی توفیق نہ ہوئی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل علم و قلم حضرات کا ایک بورڈ قائم کیا جائے جو ماحول کی ضروریات کے مطابق لٹریچر پیش کرے اور کامل تحقیق و جستجو کے بعد مجاہدین اہل سنت کی عالمانہ اور مجاہدانہ خدمات جلیلہ سے عوام و خواص کو روشناس کرائے۔

آج کی اس مجلس میں مجھے خاتم الحکماء مجاہد جلیل مولانا علامہ محمد فضل حق خیرآبادی کے بارے میں اظہار کے لئے کہا گیا ہے، اپنی کم مایگی کے اعتراف کے باوجود چند معروضات پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

مخالف و موافق اس بات پر متفق ہیں کہ علامہ کشور علم و فضل کے تاجدار اور دور آخر میں منطق و فلسفہ کے مسلم الثبوت امام تھے تیرہ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم سے فارغ ہو کر مسند تدریس کو زینت بخشی۔ حافظہ اس غضب کا تھا کہ چار ماہ اور کچھ دنوں میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور علم و فضل میں وہ مقام حاصل کیا جہاں تک معاصرین میں سے کوئی نہ پہنچ سکا سرسید لکھتے ہیں۔

جمیع علوم و فنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا

انگریز مسلمانوں کو معاشی طور پر مفلوج کر کے ان کی دینی غیرت و حمیت کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ مولانا کے نزدیک اسی بنا پر جہاد آزادی ۱۸۵۷ء معرض ظہور میں آیا، تحریک آزادی کے اسباب و حالات کو مولانا نے الثورۃ الہندیہ میں کچھ اس طرح بیان فرمایا ہے۔

(۱) انگریزوں نے بچوں کو اپنا دین اور اپنی زبان سکھانے کے لئے جگہ جگہ اسکول کھولے اور دینی مدارس کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی۔

(۲) ملک کی تمام پیداوار کو خرید لیتے اور پھر غلے کی قیمت اور سپلائی پر اجارہ داری قائم کر لیتے اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ خلق خدا ہماری دست نگر ہو جائے اور بے چون و چرا ہمارے احکام کی تعمیل کرے

(۳) مسلمانوں کو ختنہ کرانے سے روک دیا اور پردہ نشین خواتین کا پردہ ختم کرانے کی کوشش کی۔

(۴) مسلمان فوجیوں کو سور کی چربی والے اور ہندوؤں کو گائے کی چربی والے کارتوس دیئے گئے جو منہ سے کاٹنے پڑتے تھے، ان کی نظر میں اپنی حکومت کو مستحکم بنانے کا یہی طریقہ تھا کہ مذہبی اختلافات ختم کر کے تمام رعایا کو ملت کفر و الحاد پر متفق کر دیا جائے۔

اس تجزیئے کے پیش نظر کون ایسا مسلمان ہوگا جس کا دل انگریزوں سے متنفر اور بیزار نہیں ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ علامہ کے دل کے کسی گوشے میں، انگریزوں سے محبت اور ہمدردی کے لئے کوئی جگہ نہ تھی بلکہ علامہ قصائد "فتنۃ الہند" میں تو یہاں تک فرماتے ہیں۔

> نص قرآنی سے ثابت ہے کہ ان کی محبت کفر ہے کسی حق پرست
> انسان کو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ نصاریٰ سے محبت کس طرح
> جائز ہو سکتی ہے جب کہ یہ لوگ اس ذات اقدس (صلی اللہ تعالیٰ علیہ
> وسلم) کے دشمن ہیں جن کے طفیل ارض و سما پیدا کئے گئے۔

جنگ آزادی کی ابتدا ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء میں ہوئی۔ اس وقت مولانا فضل حق خیرآبادی الور میں تھے ایک تو مولانا کے اہل و عیال دہلی میں تھے دوسرا انہیں خاص طور پر بلاوا آیا تھا۔ غالباً بہادر شاہ ظفر یا جنرل بخت خاں نے لشکری رہنمائی کے لئے آپ کو دہلی بلایا تھا) اس لئے مولانا دہلی پہنچے اور مردانہ وار جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ تاریخی روزنامچوں سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا فضل حق خیرآبادی بہادر شاہ ظفر کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے اور اپنے مشوروں سے رہنمائی کرتے تھے۔ مولانا الثورۃ الہندیہ میں فرماتے ہیں

> اپنی عقل اور فہم کے مطابق لوگوں کو اپنی رائے اور مشورہ سے آگاہ
> کیا، لیکن نہ انہوں نے میرا مشورہ قبول کیا اور نہ میری بات مانی۔

قصائد فتنۃ الہند میں اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اپنی شرکت کو بیان کیا ہے فرماتے ہیں:

میں بیٹھنے والوں کو لڑائی میں برابر آگے بڑھاتا رہا اور لڑائی شروع
ہو جانے پر خود بیٹھا رہا، میں اپنی سستی کی وجہ سے ایسے موقع سے باز
رہا، یہ میں نے بڑا جرم کیا، جب نیک بخت حضرات نے مجھے شہادت
کے لئے پکارا تو میں حاضر نہ ہوا، میں شہادت سے محروم رہا جب کہ
سعادت مندوں نے جام شہادت نوش کیا۔

اس اقتباس سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ مولانا باقاعدہ مجاہدین کو جہاد کی ترغیب دیتے رہے تھے مگر پھر انہیں اس بات کا افسوس تھا کہ مجھے میدان جنگ میں شہادت نصیب نہ ہوئی۔

سوء اتفاق کہ منظم طور پر تیاری نہ ہونے اور اپنوں کی غداری اور غفلت کی وجہ سے انگریز دہلی پر مسلط ہو گئے اور دل کھول کر مسلمانوں کی خونریزی کی اس دوران مولانا پانچ دن بھوکے اور پیاسے دہلی میں رہے اور پھر چھپتے چھپاتے اہل و عیال سمیت خیرآباد پہنچ گئے، سقوط دہلی کے باوجود اودھ کی ملکہ حضرت محل نے کمال بہادری کا مظاہرہ کیا، بھاگ کر آنے والے فوجیوں کو پناہ دی اور شمالی علاقے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ قیام پذیر ہو گئیں افواج کو علاقے کے انتظامات اور دیگر ٹھکانوں کی حفاظت پر مقرر کیا اور حکم دیا کہ اگر دشمن اس طرف رخ کرے تو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی یہاں مشیر خاص کے طور پر شریک ہوئے چنانچہ مولانا پر جو مقدمہ قائم کیا گیا تھا اس کے فیصلے میں لکھا ہے کہ

"یہ بات ان ایام میں تمام طور پر مشہور تھی کہ چند آدمی بیگم (حضرت
محل) کے مشیران خاص ہیں۔ باغی فوج میں ان کی "اوربہ شوریٰ" کے
نام سے شہرت تھی بلکہ کبھی کبھی انہیں "کچہری کا پارلیمنٹ" کے نام سے
بھی پکارا جاتا تھا۔ اس شوریٰ میں ملزم (مولانا فضل حق خیرآبادی)
بہت ممتاز تھا۔" (ماہنامہ تحریک: ص ۱۶)

فیصلے میں یہ بھی کہا گیا کہ:

وہ خطرناک ترین آدمی ہے جو کسی وقت بھی بے حد نقصان پہنچا سکتا
ہے اور اس لئے انصاف اور امن عامہ کا تقاضہ ہے کہ اسے ملک
بدر کر دیا جائے۔ (ایضاً: ص ۱۶)

مولانا فضل حق خیرآبادی نے بھی جلاوطنی کے فیصلے کی دو وجہیں بیان کی ہیں۔

قصائد فتنۃ الہند میں اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اپنی شرکت کو بیان کیا ہے فرماتے ہیں:

میں بیٹھنے والوں کو لڑائی میں برابر آگے بڑھاتا رہا اور لڑائی شروع ہو جانے پر خود بیٹھا رہا۔ میں اپنی سستی کی وجہ سے ایسے موقع سے باز رہا۔ میں نے بڑا جرم کیا، جب نیک بخت حضرات نے مجھے شہادت کے لئے پکارا تو میں حاضر نہ ہوا۔ میں شہادت سے محروم رہا جبکہ سعادت مند ولی نے جام شہادت نوش کیا۔

اس اقتباس سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ مولانا باقاعدہ مجاہدین کو جہاد کی ترغیب دیتے رہے تھے اگرچہ انہیں اس بات کا افسوس تھا کہ مجھے میدان جنگ میں شہادت نصیب نہ ہوئی۔

سوء اتفاق کہ منظم طور پر تیاری نہ ہونے اور اپنوں کی غداری اور غفلت کی وجہ سے انگریز دہلی پر مسلط ہو گئے اور دل کھول کر مسلمانوں کی خونریزی کی۔ اس دوران مولانا پانچ دن بھوکے اور پیاسے دہلی میں رہے اور پھر چھپتے چھپاتے اہل و عیال سمیت خیرآباد پہنچ گئے۔ سقوط دہلی کے باوجود اودھ کی ملکہ حضرت محل نے کمال بہادری کا مظاہرہ کیا۔ بھاگ کر آنے والے فوجیوں کو پناہ دی اور شمالی علاقے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ قیام پذیر ہو گئیں۔ افواج کو علاقے کے انتظامات اور دیہات کے گھاٹوں کی حفاظت پر مقرر کیا اور حکم دیا کہ اگر دشمن اس طرف رخ کرے تو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی یہاں مشیر خاص کے طور پر شریک ہوئے چنانچہ مولانا پر جو مقدمہ قائم کیا گیا تھا اس کے فیصلے میں لکھا ہے کہ

"یہ بات ان ایام میں تمام طور پر مشہور تھی کہ چند آدمی بیگم (حضرت محل) کے مشیران خاص ہیں۔ باغی فوج میں ان کی "اور بڈ شوریٰ" کے نام سے شہرت تھی بلکہ کبھی کبھی انہیں "کچہری یا پارلیمنٹ" کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس شوریٰ میں ملزم (مولانا فضل حق خیرآبادی) بہت ممتاز تھا۔" (ماہنامہ تحریک: ص ۱۶)

فیصلے میں یہ بھی کہا گیا کہ:

وہ خطرناک ترین آدمی ہے جو کسی وقت بھی بے حد نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس لئے انصاف اور امن عامہ کا تقاضہ ہے کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے۔ (ایضاً: ص ۱۶)

مولانا فضل حق خیرآبادی نے بھی جلاوطنی کے فیصلے کی دو وجہیں بیان کی ہیں۔

(۱) انگریزوں کو اس بات کا علم تھا کہ میں ایمان و اسلام میں راسخ العقیدہ ہوں اور علامہ وقت ہونے کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہوں۔ مجھے سزا دینے کا مقصد یہ تھا کہ علم دین کے آثار کو صفحات کتب سے بھی مٹا دیا جائے۔

(۲) جاگر نصرانی کے سامنے دو مرتد سخت دین دشمنوں رحید الحکیم اور مرتضیٰ حسین نے چغل کھائی وہ دونوں جیسے حافظ قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے جس کا حکم یہ ہے کہ نصاریٰ کا دوست بھی نصرانی ہے اور ان دونوں کو نصاریٰ کی دوستی پر اصرار تھا چنانچہ انہوں نے ایمان کے بدلے کفر چاہا۔

مولانا فضل حق خیرآبادی کی مجاہدانہ زندگی کے بارے میں آپ کی تصنیف لطیف "الثورۃ الہندیۃ ارقصائد فتنۃ الہند" سے بڑھ کر کوئی دستاویز نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ انہیں بہت تفصیل کے اجمال اور اشارات سے کام لیا گیا ہے لیکن آپ اول سے آخر تک مطالعہ کر لیجئے کہیں بھی آپ کو یہ بات نہیں ملے گی کہ مولانا نے اپنے آپ کو تحریک آزادی ۱۸۵۷ء سے غیر متعلق کہا ہو یا یہ کہا ہو کہ مجھے دوسرے شخص کے شبہے میں سزا دی جا رہی ہے۔ اس وضاحت کی اس لئے ضرورت پیش آئی کہ بعض لوگوں (مثلاً امتیاز علی عرشی رامپوری اور مالک رام) نے گزشتہ چند سالوں سے یہ پروپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے کہ مولانا نے تحریک آزادی میں عملی یا عملی طور پر کوئی حصہ نہیں لیا، مولانا کی زندگی اور ان کی تصانیف پر نظر رکھنے والا تاریخ کا طالب علم ایسے پروپیگنڈے کو قبول نہیں کر سکتا ہے جناب غلام رسول مہر بجا طور پر لکھتے ہیں۔

> آج کل تو رسمی تحقیق نے معتقدانہ جذبہ سے کہیں زیادہ ویوتا لی نقطۂ نظر سے زیادہ اس بات سے انکار کیا ہے کہ مولانا خیرآبادی نے اس جنگ آزادی میں کسی قسم کا حصہ لیا ہے۔ اس سلسلے میں کئی مضامین سامنے آچکے ہیں جن کی ناصلانہ اور محققانہ بصیرت افروزی کے اعتراف کے باوجود میں اپنے آپ کو اس "زاویۂ نگاہ" سے متفق نہیں کر سکا۔"
>
> (غالب نامہ آدم: ص ۹-۱۰۸)

دیکھئے آپ نے ہماری طرف سے اپنے اکابر کے مجاہدانہ کارناموں کے متعارف کرانے کی کبھی باقاعدہ کوشش نہیں کی گئی اس کے باوجود مخالفین ہمارے اسلاف کی مسلسل کوششوں کو ہمیشہ غلط ثابت کرتے رہتے ہیں۔ خدارا ذرا سوچئے تو سہی کہ ہماری غفلت اور نا عاقبت اندیشی ہمیں کہاں لے جائے گی۔

حضرات گرامی: اگرچہ مولانا فضل حق خیرآبادی نے انگریز دشمنی کی پاداش میں جزیرۂ انڈیمان میں جام شہادت نوش کیا لیکن انہوں نے اپنی جان کی قربانی دے کر حریت و آزادی کی راہ متعین کر دی جس پر چل کر مجاہدین نے پاکستان ایسی منزل پائی۔ خدا کرے کہ آج پھر ہم میں ان مجاہدین کا جوش اور جذبہ ہو تاکہ ہم اپنے دین و ایمان اور ملک

مولانا محمد عبدالستار خان نیازی

مجاہدِ تحریکِ آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی

برصغیر کی تاریخ کو مسخ کرنے کے لئے جہاں ہندو برہمن سامراج نت نئی تعبیرات پیش کر رہا ہے اور یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ انگریزی استعمار کے خاتمہ کے لئے جو جد و جہد ہوئی وہ موہن داس کرم چند گاندھی اور اس کے رفقاء کے ذریعہ ہوئی ہے۔ مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا ظفر علی خان، حکیم محمد اجمل خانؒ، قائد اعظم محمد علی جناحؒ اور دیگر قائدین اسلامیان ہند ثانوی رتبہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ تحریک خلافت، تحریک ہجرت اور اس سے قبل مختلف مواقع پر مسلمانوں کے ایثار اور قربانی کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ ان لوگوں کے پھیلائے ہوئے باطل تصورات کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج کل کچھ مسلمان لیڈر (ولی خان وغیرہ) پاکستان کو انگریزی دماغ کی اسکیم اور نظریہ پاکستان کو معاشی تصورات کی علامت میں گم کر کے ملت واحدہ کی سالمیت اور استحکام کے درپے آزار ہیں۔ اور مختلف قومیتوں کے نعرے بلند کر رہے ہیں کیونکہ یہ سب کچھ ہمارے سامنے ہو رہا ہے اس لئے ہم ان تعریفی، انحرافی، اعتزالی اور خروجی رجحانات کو ختم کرنے کے لئے تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں غیر اسلام کا تصور پیش کر سکتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر خطرناک المیہ یہ ہے کہ انگریز نے کمال عیاری اور مکاری انقلاب ۱۸۵۷ء کے مجاہدین اور اس سے پہلے کے صحیح الفکر صاحب فراست قائدین اسلام کی سوانح حیات کو مسخ کر کے ایسے لوگوں کی تحریک حریت کا علمبردار بنا دیا ہے جنہیں سوادِ اعظم اہل اسلام نے مسترد کر دیا تھا۔ مثلاً آج اکثر نئی روشنی اور لارڈ میکالے کے نظام تعلیم سے فیض یاب اہل علم اسلامیان ہند کی تحریک آزادی کی ابتدا مولوی اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی سے شروع کرتے ہیں۔ علامہ فضل حق خیرآبادی، مفتی عنایت احمد

کاکوروی، مولانا کفایت علی کافی شہید، مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، مفتی صدرالدین آزردہ، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، جنرل بخت خان، مولانا شاہ نقی علی خان بریلوی بریلوی۔ اکابر قائدین ملت اسلامیہ سے تاریخ کے صفحات خالی ہیں۔ حالانکہ فرنگی دشمن کے استیصال اور خاتمہ کے لئے جو عدیم المثال قربانیاں ان زعماء اسلام نے پیش کی ہیں، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری نصابی کتب میں مولوی اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کی ناکام اور نام نہاد مساعی کے مقابلے میں امت محمدیہ کے صحیح اولوالعزم مدبرین و مفکرین کے کارہائے نمایاں سے نئی نسل کو آگاہ کیا جائے۔ سردست ہم اسی سلسلۂ عالیہ ذہبیہ کے شہسوار علامہ فضل حق خیر آبادی کی جد و جہد آزادی اور تبلیغ دین متین کے چند گوشے نمایاں کریں گے۔

مجاہد اعظم علامہ فضل حق خیر آبادی کے علمی و ادبی کمالات مسلّم ہیں۔ عزم و ثبات کے پیکر، بلند پایہ محقق، معقولات و منقولات کے بحر ذخار اور عشق رسالت مآب سے سرشار اور حقائق و معارف علوم اسلامیہ کے علمبردار تھے۔ اور بمقام خیر البلاد خیر آباد سنہ ۱۲۱۲ھ / سنہ ۱۷۹۶ء میں کتم عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ آپ کے والد ماجد فضل امام خیر آبادی دارالسلطنت دہلی میں صدر الصدور رہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب تینتیسویں پشت میں امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔

آپ کے علمی مرتبہ کے متعلق سرسید احمد خان نے (جو آپ سے عقائد میں اختلاف رکھتے تھے) یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

"مستجمع کمالات صوری و معنوی، جامع فضائل ظاہری و باطنی، بنائے فضل و افضال بہار آرائے چمنستان کمال، مبطل باطل و محقق حق، مولانا محمد فضل حق جمیع علوم

؎ محمد عبد الشاہد خاں شروانی: باغی ہندوستان، طبع پاکستان ۱۹۷۴ء

جائے کہ بود آں دلستاں با دوستاں در بوستاں
شد گرگ و روبہ را مکاں شد بوم و کرگس را وطن

(بحوالہ ماہنامہ شام و سحر، لاہور نومبر ۱۹۸۳ء، ص ۱۱)

غیر مقلدین کے مشہور ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور، جنگ آزادی نمبر شمارہ ۲۴ مئی ۱۳ر ۱۹۵۷ء، صفحہ ۹۴ پر علامہ کی شخصیت کا یوں تعارف کراتے ہیں:

"مولانا فضل حق اپنے عصر کی ممتاز شخصیت تھے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ درس و تدریس میں یگانۂ روزگار تھے۔ معقولات پر اُن کی نظر گہری تھی۔ سیاسیات سے کنارہ کش رہتے تھے۔ لیکن انگریزی کی مخالفت کے بعض محرکات و اسباب اُن کو بھی میدان میں لے آئے۔ بڑی مدلل اور مبرہن گفتگو کرتے تھے۔ انگریز کے خلاف جہاد کے حق میں مولانا نے جو فتویٰ دیا تھا اُس کا مضمون انھیں نے ہی تیار کیا تھا۔[1]

گرفتاری کے بعد انھیں بغاوت کے جرم میں عبور دریائے شور کی سزا دی گئی جہاں انھوں نے ۱۹ر اگست ۱۸۶۱ء (۱۲ر صفر ۱۲۷۸ھ) کو داعی اجل کو لبیک کہا۔"

ایک زبردست المیہ: علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ غیرت اسلامی کا پیکر اور عشقِ رسالت مآب کے شعلۂ جوالہ تھے جنہوں نے انگریز کے پروردہ کالے پادریوں (سرکار پرست مولویوں) کی تحریکِ تنقیصِ رسالت کے خلاف سینہ سپر ہو کر "تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ" اور "امتناع النظیر" جیسی معرکۃ الآرا کتب لکھیں، اور اہلِ اسلام کے سینوں کو تعظیم و توقیر اور محبت و عظمتِ نبوت سے معمور کیا۔ آج بیگانے تو بیگانے رہے، اپنے بھی اُن کے خلاف گمراہی اور وسوسہ اندازی کی مہم چلا کر منحوس خناسیت کا پارٹ ادا کر رہے

[1] غلام رسول مہر، ۱۸۵۷ء کے مجاہد، ص ۱۳۳

ہیں۔ اُن کے ساتھ یہ ٹریجڈی ہوئی۔ کہ اوّل تو اُن کی شخصیت اور جدوجہد آزادیٔ وطن کے متعلق بہت کم کام کیا گیا۔ اور جو کچھ ہوا ہے وہ بھی ان کے مقام و مرتبہ سے فروتر ہے۔ انہوں نے مذہبی مخالفت کی بنا پر ان پر بیک حملے کئے ہیں۔ اور ان کے بلند و بالا کردار کو مسخ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

جناب مادم سیتاپوری نے اس المیہ کے متعلق لکھا ہے:۔

"مولانا فضل حق خیر آبادی گزشتہ انقلابی صدی کا وہ مظلوم کردار ہے جسے دشمنوں سے زیادہ دوستوں نے نقصان پہنچایا۔ انگریز اور اُن کے ہوا خواہ تو موں نا سے اس لئے ناراض تھے کہ انقلاب سن ستاون (۱۸۵۷ء) کے سلسلہ میں کسی نہ کسی نہج سے اُن کا نام آگیا تھا۔ لیکن خود مسلمانوں کا ایک پروپیگنڈسٹ گروپ (کالے پادریوں کا گروپ) مولانا سے اس لئے بیزار تھا۔ کہ وہ اُن کے مذہبی نظریات کے خلاف عالمانہ مجاہدہ کر چکے تھے۔ (انکار شفاعت اور امکان نظیر جیسے گمراہ کن عقیدے سے جنگ) یہ باوقار علمی مباحثے کوئی ذاتی اور عامیانہ جنگ نہیں تھی۔ جس کا سہارا لے کر مولانا خیر آبادی کے خلاف ایک مستقل محاذ قائم کر دیا جاتا۔ لیکن ہوا کچھ ایسا ہی۔

مولانا کے اکثر سیرت نگاروں نے نادانستہ نہیں، دانستہ مولانا کا تذکرہ اس انداز سے کیا کہ "خود مدح" اور "ہجو ملیح" سر گرمیاں ہو گئے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج جب ریسرچ اور تحقیق کی نگاہیں تاریخ کے ان اوراق تک پہنچیں تو دنیا ہی بدلی ہوئی نظر آئی۔"

(غالب نام آورم مطبوعہ ۱۹۶۹ء، ص ۱۰۱)

مولانا امتیاز علی عرشی رامپوری اور اس قسم کے چند دوسرے علماء نے علامہ فضل حق خیر آبادی کے فتویٰ جہاد اور جہاد آزادی میں شرکت سے انکار کیا بلکہ یہاں تک لکھ دیا ہے۔ کہ جس فضل حق نے جہاد آزادی میں حصہ

سزا اور جنرل بخت خاں کے پاس گئے۔ ۱۸۵۹ء میں مولانا فضل حق خیرآبادی کو مغلیہ حکومت کی وفاداری اور انگریزوں کے خلاف "بغاوت" میں شریک ہونے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔"

مولانا غلام رسول مہر (۱۸۵۷ء کے مجاہد) خورشید مصطفیٰ رضوی (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء) ناصر کاظمی (پسند) مفتی صدر الدین آزردہ (خیال، لاہور سن ستاون نمبر) انتظام اللہ شہابی (غدر کے چند علماء) محمد اسمٰعیل پانی پتی (لیل و نہار جنگ آزادی نمبر) سہ ماہی "الزبیر" بہاولپور۔ محمد عبدالشاہد خاں شروانی، مقدمہ باغی ہندوستان پروفیسر محمد ایوب قادری (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد فیض احمد بدایونی) ..... جنرل بخت کے مشورے سے علامہ فضل حق خیرآبادی نے بعد نماز جمعہ جامع مسجد دہلی میں جہاد کی اہمیت اور ضرورت پر تقریر کی۔ اور جہاد کا استفتاء مرتب کرکے پیش کیا۔ جہاد کے فتویٰ کی تیاری میں جنرل بخت خاں کی مساعی کو کامیاب بنایا۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی "خیال" لاہور سن ستاون نمبر، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، مولانا عبدالسلام ندوی اور مولانا ریاست علی (ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۳۰۲) وغیرہ کئی حق پرست مؤرخین نے علامہ فضل حق خیرآبادی کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ نیز یہ تذکرہ ایک لحاظ سے نامکمل رہے گا، اگر ہم پاکستان میں دیوبندی مکتبۂ فکر کے آرگن ہفت روزہ خدام الدین لاہور اور اسی مکتبۂ فکر کے علامۂ اجل اور شیخ الاسلام حسین احمد مدنی کا مکتبۂ نگاہ پیش نہ کریں۔ قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے اقتباسات علی الترتیب درج ذیل ہیں :-

"برا ہو تاریخ کا۔ اس نے اپنے حافظے سے ایسی ایسی جانباز، حق گو، بہادر جامع کمالات شخصیتوں کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا جنھوں نے اپنے دور

میں وقت کے تیز و تند طوفانوں سے بے خوف و خطر ٹکر لی، اور پیٹھ نہیں دکھائی۔ مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کے ان جانبازوں اور نڈر مجاہدین میں سے تھے جن کی جرأت و ہمت اور حق گوئی و بے باکی نے دُنیا کو حیرت میں ڈال دیا، مگر تاریخ کے صفحات میں ان کو شایانِ شان کیا کوئی معمولی جگہ بھی نہیں مل سکی۔ (العجب ثم العجب)

مولانا فضل حق خیرآبادی نے "افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جابر" کا فریضہ ادا کیا۔ اور اپنی عمر عزیز انڈمان میں حبس دوام کی نذر کر دی۔۔۔

علامہ فضل حق خیرآبادی وغیرہ نے انگریزوں کے خلاف فتاوی دے کر مسلمانوں کو عدم تعاون پر آمادہ کیا۔۔۔۔۔۔

مولانا فضل حق خیرآبادی بھی باغی قرار دیئے گئے۔ سلطنت مغلیہ کی وفاداری، فتویٰ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا ماخوذ کر کے سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے۔

(ہفت روزہ خدام الدین، لاہور ۲۳ نومبر ۱۹۶۲ء، ص ۹، ۱۰)

مولانا نے اپنے اوپر جتنے الزام لگے تھے۔ ایک ایک کر کے سب رد کر دیئے۔ جس مخبر نے فتویٰ کی خبر کی تھی۔ اس کے بیان کی تصدیق و توثیق کی۔ فرمایا "پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا۔ اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی۔ اب عدالت میں میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ اور جھوٹ بولا۔ وہ فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔" جج بار بار علامہ کو روکتا تھا، کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مخبر نے عدالت کا رُخ اور علامہ کی بارعب و پُروقار شکل دیکھ کر شناخت کرنے سے گریز کرتے ہوئے کہہ ہی دیا تھا، کہ یہ وہ مولانا فضل حق نہیں۔ وہ دوسرے تھے۔ گواہ جس صورت اور پاکیزگی سیرت سے بے انتہا متاثر ہو چکا تھا۔ مگر علامہ کی شانِ استقلال کے قربان جایئے۔ خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے "وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت

بھی میری وہی رائے ہے۔

نالہ از بہرِ رہائی نہ کند مرغِ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

(نقشِ حیات از حسین احمد مدنی، ص ۶۹۲)

مولانا فضلِ حق صاحب خیر آبادیؒ کو جو کہ تحریک کے بہت بڑے رکن تھے اور بریلی، علی گڑھ اور اس کے ملحقہ اضلاع کے دورانِ تحریک میں گورنر تھے۔ آخر ان کو گھر سے گرفتار کیا گیا، جس مخبر نے ان کو گرفتار کرایا تھا۔ اس نے انکار کر دیا۔ کہ مجھے معلوم نہیں۔ فتویٰ جہاد پر جس نے دستخط کئے ہیں، وہ یہ فضلِ حق ہیں یا کوئی اور ہیں۔۔۔۔۔ مولانا نے فرمایا کہ مخبر نے پہلے جو رپورٹ لکھوائی تھی وہ بالکل صحیح تھی۔ کہ فتویٰ میرا ہے۔ اب میری شکل و صورت سے مرعوب ہو کر یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ قربان جائیے علامہ کی شانِ استقلال پر، خدا کا شیر گرج کر کہہ رہا ہے کہ میرا اب بھی یہی فیصلہ ہے کہ انگریز غاصب ہے۔ اور اس کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے۔" خدا کے بندے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ وہ جان کی پرواہ کئے بغیر سر بکف ہو کر میدان میں نکلتے ہیں۔ اور لومڑی کی طرح ہیر پھیر کر کے جان نہیں بچاتے بلکہ شیروں کی طرح جان دینے کو فخر سمجھتے ہیں۔"

(تحریک ریشمی رومال از حسین احمد مدنی، ۶۴، ۶۴، ۶۵)

علامہ فضلِ حق خیر آبادیؒ نے نہ صرف فتویٰ جہاد کا اعلان کیا، بلکہ جہاد کی تبلیغ کر کے لوگوں کو جہاد میں شامل کیا، اس وقت جو ملک کی اقتصادی زبوں حالی تھی۔ اور فرنگیوں کے زہرہ گداز مظالم کا تذکرہ کر کے تحریک آزادی کے لئے بنیاد فراہم کی۔ بہادر شاہ ظفرؔ کو مرکزی حیثیت سنبھال کر تحریک آزادی کی قیادت کے لئے تیار کیا، عیش و عشرت اور فسق و فجور میں مستغرق شاہزادوں کا خوفناک

اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ "ایسی بے رُو ریا اور غیر متعصب سرکار انگریزی پر کسی طرح بھی جہاد درست نہیں" (تواریخ عجیبہ ، ص ۷۳)

...... مولوی اسمٰعیل دہلوی نے فرمایا "اگر کوئی انگریزوں پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس حملہ آور سے لڑیں۔ اور اپنی انگریزی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں" (حیات طیبہ ، صفحہ ۲۹۶)

اور اُن کے پیرو مرشد نام نہاد امیر المومنین سید احمد بریلوی فرماتے ہیں کہ "ہم اور ہمارے متبعین سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں۔ اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرا دیں۔ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت نہیں کرنا چاہتے۔ نہ انگریزوں کا اور نہ سکھوں کا۔" (سوانح تواریخ عجیبہ صفحہ ۹۱)

(مسلمانوں سے لوگوں کا ملک چھیننا جہاد اور اُن کی جانب سے تعزیۃ الایان کی شرکیات کا رد "بغاوت" قرار دیا گیا۔ العجب ثم العجب (مرتب)

اور یہی خود ساختہ امیر المومنین انگریزوں کے وفادار گماشتے کا پارٹ ادا کرتے ہیں:۔

لارڈ ہیسٹنگز، سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اس میں جن آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں ، لارڈ ہیسٹنگز اور سید احمد صاحب تھے۔ سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشے میں اتارا تھا" (حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی۔ صفحہ ۲۹۳)

آپ اس کے مقابلے میں مجاہد فضل حق کا کردار ملاحظہ فرمایئے۔

آپ کو بغاوت کے جرم میں گھر سے گرفتار کر کے مقدمے کے لئے لکھنؤ بھیج دیا گیا اور آپ پر سلطنت مغلیہ سے وفاداری اور فتویٰ جہاد نافذ کرنے کے جرم بغاوت کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔